تدبر

لاہور

قرآنِ حکیم

خصوصیات:

قیمت: ... 396/- روپے

شاران فاؤنڈیشن

122 ... 54000 فون 042-7595200

حیاتِ رسولِ امیؐ

خصوصیات:

کتبِ سیرت میں پائی جانے والی واقعاتی روایات کا محاکمہ۔

قرآن مجید میں بیان کردہ طرزِ احساس و احوالِ رسول اللہ ﷺ پر مبنی سیرت کی منفرد کتاب

رسولِ امیؐ کے بارے میں سابقہ کتب کی موشگافیوں پر سیر حاصل تبصرہ

★ حواشی اور ضروری حوالے ★ عام فہم سلیس زبان ★ خوبصورت جلد

★ صفحات 600 ★ قیمت -/375 روپے

دارالتذکیر رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

خصوصی اشاعت

بیادِ مولانا **خالد مسعودؒ** رحمۃ اللہ علیہ

1935ء ——— 2003ء

تدبّر

لاہور

جاری کردہ مولانا امین احسن اصلاحیؒ

شمارہ نمبر ۸۲ دسمبر ۲۰۰۳ء ذیقعد ۱۴۲۴ھ

...WIRD
Institute of Islamic Sciences
51 K, Model Town, Lahore - 54700

مجلس ادارت

- عبداللہ غلام احمد (مدیر)
- محبوب سبحانی
- سعید احمد
- سید اسحاق علی

قیمت فی شمارہ ۱۵ روپے

سالانہ ——— ۲۰ روپے

بیرون ملک ۲ امریکی ڈالر

(ماسوائے برصغیر)

فہرست

تذکرہ و تبصرہ

تدبر کا "خالد مسعودؒ" نمبر	عبداللہ غلام احمد	2

بیادِ مولانا خالد مسعودؒ

خالد مسعودؒ کی قرآنی خدمات	ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی	6
فکرِ اصلاحیؒ کا امین	جاوید احمد غامدی	20
ایک پُرعزم محقق	ڈاکٹر منصور الحمید	26
فکرِ فراہی اور ذکرِ اصلاحی کے امین	ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی	33
اک ماہرِ قرآن کی یاد میں	عبدالرزاق	42
گنجِ گراں مایہ	محبوب سبحانی	44
حیاتِ رسولِ امی کا منہجِ تحقیق	نعیم احمد بلوچ	50
اصلاحی افکار کا مشعل بردار	ڈاکٹر صاحبزادہ انوار احمد بگوی	57
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را	محمد تاج	65
ایک خاموش مجاہد کی رحلت	شہزاد سلیم	69
مولانا اصلاحیؒ کے عقلی وارث	سلیم کیانی	71
ایک مدبر و مفکر عالمِ دین	عبدالرشید صدیقی	74
ابا جی ..... کچھ یادوں کی روشنی میں	حسان عارف	77
ایک مخلص استاد	ڈاکٹر مستحسن میر	84
علم و حلم کا مجمع البحرین	پروفیسر عبدالخالق فاروقی	86
آہ جناب خالد مسعودؒ!!	مولانا ضیاء الدین اصلاحی	91

ادارہ تدبرِ قرآن و حدیث

رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد، لاہور، پاکستان ای میل: tadabbur@hotmail.com

ایک درویش صفت جلیل القدر محقق	سید احسان اللہ وقاص	94
مسندِ اصلاحیؒ کے امین کی یاد میں	عارف علوی	95
سید الطائف	ڈاکٹر اجمل اصلاحی	98
شگفتہ یادوں کا مجموعہ	ڈاکٹر شہباز حسین	100
بزمِ فراہی و اصلاحی کی شمع	ماجد خاورؒ	103
خالد مسعود مرحوم	مولانا محمد ایوب اصلاحی	105
ہمارے ماموں جان	ڈاکٹر ام کلثوم	106
جناب خالد مسعود مرحوم ...... چند یادیں	پروفیسر صاحبزادہ محمد عبدالرسول	110
اب انھیں ڈھونڈو چراغِ رخِ زیبا لے کر	حکیم راحت نسیم سوہدروی	111
علم و عمل کی جیتی جاگتی شخصیت	عبدالرشید عراقی	114
ایک ملنسار دوست	خوش محمد	120
مدیرِ تدبرؔ کی رحلت	ڈاکٹر محمد سلیم الدین	122
مولانا اصلاحی کے بارے میں انٹرویو	محمد ہارون عثمانی	124
ربا سے متعلق ایک اہم انٹرویو	میاں محمد صدیق	128
مکاتیب خالد مسعود		132

عبداللہ غلام احمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تدبر کا ''خالد مسعودؒ'' نمبر

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَ عَلَّمَهٗ تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور سکھایا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ تم میں سے بہترین اور افضل ترین شخص وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور سکھایا۔ کس قدر خوش بخت ہیں وہ لوگ اور کتنا بلند مرتبہ ہے ان لوگوں کا جن کی تحسین رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مبارک الفاظ میں فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت سے توقع ہے کہ ان سعید روحوں کے زمرہ میں خالد مسعود صاحب کا نام بھی شامل ہوگا۔ خالد مسعود صاحب نے اپنی زندگی کو قرآن مجید سیکھنے اور سکھانے کے لئے وقف کر دیا تھا اور آخر دم تک اسی کو مقصد حیات بنائے رکھا۔ حصول رزق حلال کے لئے تگ و دو کے ساتھ ساتھ وہ طلب علم القرآن اور تعلیم القرآن کے لئے ہر وقت ہمہ تن مستعد رہے۔ ایک طویل عرصہ تک وہ مسلسل مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی خدمت میں روزانہ عصر کے وقت قرآن سیکھنے کے لیے حاضر ہوتے رہے۔ پھر مولانا اصلاحیؒ سے ان کی زندگی کے آخری دن تک منسلک رہے۔ تفسیر 'تدبر قرآن' کی تالیف کے دوران تحقیق اور حوالہ جات کی فراہمی میں ان کا ہاتھ بٹاتے رہے۔ گھر میں' گھر سے باہر پیشہ وارانہ اور علمی مصروفیات سے جو وقت بچتا اس میں وہ پڑھے لکھے لوگوں کو جمع کر کے عربی زبان کی تعلیم دیتے پھر انھیں قرآن مجید پڑھاتے۔ تعلیم قرآن کا یہ سلسلہ ان کے آخری ایام تک جاری رہا۔ ان کے ایک شاگرد ان کا ذکر خیر کرتے ہوئے یوں اظہار کرتے ہیں:

''کیا خوب انسان تھے۔ اپنی تمام تر مصروفیات چھوڑ کر اپنے ہی گھر کے مہمان خانے میں ایسے لوگوں کو دین کا صحیح فہم اور قرآن کا علم دے رہے تھے جن سے کوئی دنیاوی غرض نہ تھی۔ بس ایک خلوص تھا کہ پڑھے لکھے نوجوانوں میں قرآن پر تدبر کا شوق پیدا ہو جائے''۔

مرحوم اعلیٰ صلاحیتوں اور عمدہ صفات کے مالک تھے۔ فرائض دینیہ کے پابند' سنت رسولؐ کے پیروکار' شرافت و متانت کے پیکر' علم و تقویٰ میں مثال' کم سخن' ملنسار اور مہمان نواز تھے۔ خود بینی اور خود نمائی نام کو نہ تھی۔ تواضع اور انکسار شعار تھا۔ قلب و ذہن سلجھا ہوا پایا تھا اور عقل و دانش میں انھیں ایک وافر حصہ ملا تھا۔ ان کی تحریریں مختصر' مدلل'

آسان فہم، حشو کلام سے پاک اور ان کی اپنی تحقیق پر مبنی ہوتی تھیں۔ ان کی تحقیق کا شاہکار ان کی تالیف ''حیات رسول امیؐ'' ہے جو سیرت نگاری میں ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔

''تدبر'' کے پچھلے شمارے میں قارئین کرام سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ مرحوم کے حالات زندگی، ان کی شخصیت اور ان کی دینی خدمات سے متعلق مضامین لکھیں۔ ان کے پاس اگر ان کی علمی نوعیت کی تحریریں یا مکاتیب موجود ہوں یا ان کے پاس ان سے ملاقات و معاملات کی یادداشتیں ہوں تو وہ ارسال کریں۔ اس درخواست پر بھرپور ردعمل ہوا چنانچہ مضامین بھی موصول ہوئے اور تذکرے بھی۔ لکھنے والوں میں ان کے اعزا، ان کے ہم سبق، ان کے شاگرد، ان کے احباب، ان کے شریک کار، ان کے عقیدت منداور 'تدبر' کے قارئین بھی شامل ہیں۔ ان مضامین میں مرحوم کی نجی، مجلسی اور علمی و عملی زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے، ان کے سیرت و کردار کی عکاسی کی گئی ہے اور ان کی علمی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ زیر نظر شمارہ ان ہی مضامین، مکاتیب اور تذکروں پر مشتمل ہے چنانچہ یہ شمارہ مرحوم کے نام کر دیا گیا ہے اور ان کی یاد میں خصوصی نمبر کے طور پر شائع کیا جارہا ہے۔ مرحوم کے لیے اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ان کی خطاؤں اور لغزشوں سے درگزر فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے اور انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام پر فائز فرمائے!

فکر فراہی کا ناشر...... ماجد خاور

ابھی خالد مسعود صاحب کا غم نہیں بھولے تھے کہ ۱۲ اور ۱۳ دسمبر کی درمیانی شب کو ماجد خاور صاحب اس دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے نہایت ذہین و فطین اور لائق شاگرد تھے۔ انھیں مولانا اصلاحیؒ سے گہری محبت اور عقیدت تھی اور مولانا بھی ان سے بڑی محبت اور شفقت سے پیش آتے تھے اور انھیں بہت عزیز رکھتے تھے۔ انھیں یہ اعزاز حاصل ہے کہ انھوں نے امام حمید الدین فراہیؒ کے افکار اور مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی تصنیفات و تالیفات کی نشر و اشاعت کا اس وقت بیڑا اٹھایا جب وہ اس کام سے بالکل نابلد اور اس کوچہ میں نووارد تھے۔ اس مشکل اور عظیم منصوبہ کے لئے سرمایہ فراہم کرنا آسان نہ تھا مگر انھوں نے ہمت اور حوصلہ سے کام لیا اور بے دھڑک اس مہم پر چل نکلے۔ انھوں نے یہ ذمہ داری نہایت استقلال اور سلیقہ سے نبھائی اور الحمد للہ وہ اس میں کامیاب رہے۔ انھوں نے اس منصوبہ کی تکمیل کے لئے فاران فاؤنڈیشن قائم کی اور اس کے زیر اہتمام تفسیر ''تدبر قرآن'' کی نو جلدیں جو تقریباً چھ ہزار صفحات پر مشتمل ہیں شائع کیں۔ اس کی اشاعت میں اپنی پوری توجہ اور محنت صرف کی اور بہت احتیاط سے کام لیا تاکہ کتاب غلطیوں سے بھی پاک رہے اور اس کی کتابت و طباعت بھی اعلیٰ معیار پر ہو۔ اس کے بعد انھوں نے ''تفاسیر فراہی'' بھی اسی معیار پر شائع کی۔

انھیں امام فراہیؒ اور مولانا اصلاحیؒ سے اس قدر محبت تھی کہ انھوں نے ان کے افکار کی نشرو اشاعت کو اپنی زندگی کا مقصد ٹھیرا لیا اور یکے بعد دیگرے ان کی تصنیفات و تالیفات کو شائع کرتے گئے۔ مشکلات کے باوجود اس کام کے لئے مطلوب سرمایہ فراہم کرنے سے دریغ نہیں کیا۔ اب تک فاران فاؤنڈیشن سے تفسیر 'تدبر قرآن' کے علاوہ مولانا اصلاحیؒ کی تقریباً پندرہ اور امام فراہیؒ کی دو کتب شائع ہو چکی ہیں۔ ان سب کا معیار طباعت بہت عمدہ اور شاندار ہے۔ ''تدبر قرآن'' ایک مفصل اور مبسوط تفسیر ہے۔ اس سے استفادہ ہر کسی کے لیے ممکن نہیں لہٰذا ضرورت تھی کہ افادہ عام کے لئے مولانا اصلاحیؒ کا ترجمہ قرآن مع حواشی علیحدہ شائع کیا جائے۔ تفسیر کی تلخیص کا مشکل کام جناب خالد مسعودؒ نے سرانجام دیا اور تفسیر 'تدبر قرآن' سے اخذ و تلخیص پر مشتمل حواشی ترتیب دیے جنھیں ماجد خاور صاحب نے ایک علیحدہ جلد میں نہایت دیدہ زیب کمپوزنگ کے ساتھ طباعت کے اعلیٰ معیار پر شائع کیا۔

ماجد خاور صاحب کا دوسرا اعزاز یہ ہے کہ وہ مسلسل سال ہا سال قرآن و حدیث پر مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے دروس اور لیکچرز باقاعدگی سے ٹیپ ریکارڈر پر محفوظ کرتے رہے۔ ان ٹیپس کی مدد سے اصول تفسیر' اصول حدیث' شرح حدیث اور اصول فلسفہ پر نہایت اہم مضامین اور کتب ترتیب دی گئیں جو ادارہ تدبر قرآن و حدیث کے زیر اہتمام رسالہ 'تدبر' میں قسط وار شائع ہوتی رہیں۔ بعد میں ان اقساط کو 'اصول فہم قرآن' 'مبادی تدبر حدیث' 'تدبر حدیث (شرح موطا امام مالک)' 'تدبر حدیث (شرح صحیح بخاری)' اور ''فلسفے کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں'' کے ناموں سے کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔ مولانا اصلاحیؒ کے دروس اور لیکچرز کا ایک بڑا حصہ اب بھی ٹیپس میں محفوظ ہے اور ترتیب کا منتظر ہے۔ اصول حدیث ایک مشکل فن ہے۔ اس پر مولانا اصلاحیؒ کے لیکچرز کو ماجد خاور صاحب نے نہایت محنت سے خود مرتب کیا اور حوالوں سے مزین کر کے فاران فاؤنڈیشن سے 'مبادی تدبر حدیث' کے عنوان سے شائع کیا۔

اللہ تعالیٰ نے مرحوم کو اعلیٰ صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ وہ نہایت شریف النفس' ملنسار' متواضع' ہمدرد اور مخلص انسان تھے۔ ان کا انداز گفتگو فلسفیانہ تھا۔ ان کا ذہن تجزیاتی اور تحقیقی تھا۔ ان کے مشورے صائب' قابل قدر اور قابل عمل ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کی کمزوریوں اور کوتاہیوں سے صرف نظر فرمائے' ان کی دینی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے اور انھیں جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے!!

اللہ تعالیٰ نے انھیں نیک اور صالح اولاد سے نوازا تھا۔ وہ ان کی تربیت سے غافل نہیں رہے۔ ان کے ایک صاحبزادے حسن خاور ان کے نقش قدم پر گامزن ہیں۔ انھوں نے پختہ ارادہ کر رکھا ہے کہ وہ ان شاء اللہ اپنے والد کے مشن کو جاری رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کو خدمت دین کی راہ میں ثابت قدمی اور استقلال عنایت فرمائے!

جناب خالد مسعودؒ کی قرآنی خدمات

ڈاکٹر ظفرالاسلام اصلاحی

موجودہ دور کو علمی انقلاب اور اطلاعاتی انفشار کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ مطالعہ وتحقیق اور تصنیف وتالیف کی سرگرمیاں عروج پر ہیں‘ علم کی ایک دو نہیں ہزاروں شاخیں وجود میں آ گئی ہیں۔ جدید تعلیم کے میدان میں مقابلہ کی فضا دن بہ دن پروان چڑھتی جارہی ہے۔ ذرائع ابلاغ اس تیزی سے ترقی کر رہے ہیں کہ اس کی رفتار کا اندازہ کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ اس صورت حال میں وہ شخصیات بڑی قابل قدر ہیں جن کی علمی مصروفیات کا مرکز قرآن کریم ہے اور جن کی زندگیاں علم دین کی خدمت کے لیے وقف ہیں اور اگر اس کے ساتھ کسی کی روز مرہ زندگی قرآن وسنت کے مطابق بسر ہو جائے تو اس کا مرتبہ اور بلند ہو جاتا ہے اور اس کی قدر و قیمت مزید بڑھ جاتی ہے۔ جناب خالد مسعودؒ ایسے ہی باعمل علمائے دین اور صاحب کردار اسکالرس میں سے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ آج کے دور میں علم دین کے ماہرین اور علوم اسلامیہ کے محققین واسکالرس بہت ملتے ہیں‘ لیکن علم وعمل‘ علم واخلاص‘ علم وانکساری‘ علم وبے نیازی میں امتزاج کا مظاہرہ کرنے والے کم ہی نظر آتے ہیں۔

علم دین بالخصوص قرآن کریم سے جناب خالد مسعودؒ کا گہرا تعلق جس پس منظر میں قائم ہوا وہ بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ مرحوم بنیادی طور پر سائنس کے آدمی تھے اور ان کی عملی زندگی کا آغاز انڈسٹریل ریسرچ لیبارٹریز‘ لاہور کی سروس سے ہوا۔ اس کے بعد کی زندگی میں جس طرح انہماک کے ساتھ وہ علوم اسلامیہ کے اکتساب میں مصروف ہوئے اور عربی وفارسی زبان وادب‘ قرآن وحدیث ودیگر دینی علوم کے ماہر بن گئے‘ اس میں ان کے استاد گرامی مولانا امین احسن اصلاحیؒ (۱۹۰۴ء تا ۱۹۹۷ء) کا کلیدی کردار رہا ہے۔ بلاشبہ مرحوم ایک دینی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ بچپن سے انھیں عربی پڑھنے کا شوق تھا‘ ابتدا سے ہی وہ دینی ذہن رکھتے تھے‘ طالب علمی کے دوران وہ اسلامی جمعیت طلبہ سے منسلک ہوئے اور ۱۹۵۶ء میں لاہور کے ناظم منتخب ہوئے۔ لندن میں کیمیکل انجینئرنگ

میں ڈپلومہ کرتے ہوئے انھوں نے یو کے اسلامک مشن قائم کیا اور اس کے اولین صدر بھی رہے۔ بعد میں انھوں نے پنجاب یونیورسٹی سے اسلامیات میں ایم اے بھی کیا' لیکن اصلاً جس واقعہ نے ان کی زندگی کے رخ کو موڑا' علم دین کی طلب کو شدید سے شدید تر کیا' قرآن کریم سے والہانہ لگاؤ پیدا کیا اور خدمت دین کے جذبہ کو پروان چڑھایا' وہ مولانا اصلاحیؒ کے درس یا لیکچر سے متاثر ہونا اور ان کی شاگردی و صحبت اختیار کرنا تھا۔ یہ سلسلہ ۱۹۵۸ء سے شروع ہوا اور استاذ مکرم کے آخر حیات تک جاری رہا۔ اس واقعہ کی اہمیت اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ سائنسی علوم سے بہرہ ور ہونے اور سائنس کے ایک شعبہ میں ملازمت اختیار کرنے کے بعد انھیں مولانا اصلاحیؒ کی تربیت و صحبت کے زیر اثر فہم قرآن کا ایسا ذوق و شوق پیدا ہوا کہ بڑھتا ہی چلا گیا۔ اس انقلابی واقعہ کی ایک دل نشیں تعبیر مولانا اصلاحیؒ کے شاگرد' مرحوم کے قریبی رفیق اور ادارہ تدبر قرآن و حدیث کے ممتاز رکن جناب محبوب سبحانی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

"مولانا نے اپنے ہونہار شاگرد کے ذوق و شوق کو دیکھ کر تدبر قرآن پر غور کرنے کے وہ تمام طریقے سکھائے جو انھوں نے اپنے استاد مولانا حمید الدین فراہیؒ سے سیکھے تھے۔ انھوں نے اپنے استاد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تہجد کے وقت فراہیؒ اور اصلاحیؒ کے اصولوں کی روشنی میں قرآن مجید پر غور و فکر کرنا شروع کیا۔ رفتہ رفتہ ان پر اسرار کھلنے لگے۔ رموز کتاب سے آشنائی ہونے لگی اور کتاب کے الکتاب ہونے پر یقین بڑھتا گیا۔ اس کی لذت اور حلاوت سے روشناس ہوئے جو رفتہ رفتہ ان کے رگ و پے میں سرایت کر گیا۔ اس لذت سے انھیں ایسا سرور حاصل ہوا پھر کسی چیز میں مزا نہ رہا۔ ایسا نشہ طاری ہوا جس سے وہ عمر بھر سرشار رہے۔ سر میں ایسا سودا سمایا کہ قرآنی علوم کے علاوہ اور کسی چیز میں دل نہ لگا۔"[۱]

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا اصلاحیؒ نے ان کی شدت طلب' علم قرآن کا بڑھتا ہوا شوق اور خدمت دین کا ابھرتا ہوا جذبہ دیکھ کر ان کی تعلیم و تربیت میں خصوصی دلچسپی لی۔ انھیں اپنا تلمیذ خاص بنایا اور پھر ان کے لیے اپنی متاع بے بہا (علم قرآن) نثار کر دیا۔ مولانا نے انھیں عربی زبان سکھائی' قرآن و حدیث کی تعلیم دی' تفقہ فی الدین کے رموز منکشف کیے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ قرآن کریم و حدیث نبویؐ سے ان کا تعلق ایسا مضبوط کیا کہ یہی علوم ان کی مصروفیات کا مرکز بن گئے۔ دوسری جانب سعادت مند شاگرد نے استاد کی تقریباً چالیس سالہ (۱۹۵۸ء تا ۱۹۹۷ء) صحبت و رفاقت سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اس طویل عرصہ میں ان سے اخذ و استفادہ کا کوئی موقع ضائع نہ کیا اور پھر حلقہ تدبر قرآن' ادارہ تدبر قرآن و حدیث اور رسالہ تدبر کے کاموں میں ان کی معاونت' فکر فراہی کی ترویج اور خود استاد کے افکار و نگارشات کی اشاعت کو اپنے لیے سعادت سمجھا۔ درحقیقت مرحوم مولانا اصلاحیؒ کے نہ صرف انتہائی قریبی بلکہ معتمد علیہ شاگرد تھے۔ مولانا ذاتی و علمی ہر معاملہ میں ان پر مکمل اعتماد کرتے تھے۔ تفسیر

لکھنے یا دوسرے علمی کاموں کے دوران مواد کی فراہمی وحوالوں کی تلاش میں وہ ان سے مدد لیتے۔ مولانا کی ہدایت پر وہ ان کی جانب سے خطوط کا جواب دیتے اور ان سب سے اہم یہ کہ انھوں نے اپنے استادِ مکرم ومولانا حمید الدین فراہیؒ (۱۸۶۳ء تا ۱۹۳۰ء) کی علمی میراث بالخصوص قرآنیات پر ان کے قیمتی مسودات ان کے سپرد کر دیے۔

آخر عمر میں مولانا اصلاحی جب علالت کے باعث درسِ قرآن سے معذور ہو گئے تو اس نیک سلسلہ کو جاری رکھنے کی خدمت بھی ان کے انھی لائق شاگرد نے انجام دی۔[1] مزید براں جناب خالد مسعودؒ نے اپنے استاد کی کتب و مضامین کی ترتیب وتلخیص اور ان کے دروس وخطبات کی تدوین اشاعت کے کام کو جس جانفشانی وخوش اسلوبی سے انجام دیا۔ اس کی تفصیل میں جانے کا یہاں موقع نہیں ہے۔ اس طرح مولانا اصلاحیؒ کے معتمد علیہ شاگرد کی حیثیت سے جناب خالد مسعودؒ صاحب کا مرتبہ ومقام بہت بلند ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ مولانا اصلاحی سے جناب خالد مسعود صاحب کی دلی وابستگی وشیفتگی کسی شخصی پہلو یا ذاتی مقصد سے نہیں تھی بلکہ اس کتاب عزیز وعظیم کی بنیاد پر تھی جس میں غور وفکر جس کے معنی ومفہوم کی وضاحت اور جس کی فکر کی اشاعت استاد کی زندگی کا مشن ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ درحقیقت خالد مسعود صاحب کے فنائی القرآن ہونے کا سلسلہ اس انقلابی فکر سے ملتا ہے جو استاذ الاساتذہ (مولانا فراہیؒ) کی دین تھی اور جس کے امین خود ان کے استاد مولانا اصلاحی بنے اور پھر اسی امانت کو انھوں نے اپنے مختلف شاگردوں کے سپرد کیا جن میں جناب خالد مسعودؒ ایک امتیازی حیثیت کے مالک تھے۔ وہ انقلابی فکر کیا ہے اس کی تشریح خود مرحوم نے ان الفاظ میں کی ہے:

> ''مولانا فراہی نے جو فکر دیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید کلام اللہ ہونے کی حیثیت سے دوسری ہر چیز پر حاکم ہے لہٰذا دوسرے تمام علوم قرآن کے تابع ہیں وہ علم جس کا تعلق قرآن کے موضوع سے ہے اس سے مستنبط ہونا چاہیے۔ اس کی بنیادیں قرآن کی دی ہوئی ہدایت پر استوار ہونی چاہئیں۔ چنانچہ فقہ ہو یا کلام فلسفہ ہو یا دوسرے عمرانی علوم مولانا فراہی ہر علم کو اس بنیاد پر جانچتے ہیں جو قرآن مجید نے مہیا کی ہے۔''[2]

گویا کہ اس فکر کا ماحصل یہ ہے کہ تمام علوم میں قرآن کو بنیادی حیثیت دی جائے۔ اس طور پر کہ تمام علوم اسی کی رہنمائی میں سیکھے وسکھائے جائیں اور پھر حاصل کردہ علوم کو اس طرح استعمال کیا جائے کہ وہ علم قرآن کے خادم بن جائیں۔ سچ بات یہ ہے کہ مولانا فراہی نے نہ صرف یہ تصور پیش کیا کہ قرآن کو ہمارے علم کا محور بننا چاہیے بلکہ وہ اس فکر کے بھی علم بردار تھے کہ قرآن ہی کو ہم اپنے عمل کا محور بھی بنائیں جیسا کہ انھوں نے اپنے طرز عمل سے اس کا واضح ثبوت دیا۔ اس فکر کے انقلابی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

جناب خالد مسعودؒ نے اسی فکر کو فروغ دیا اور اپنی علمی وعملی زندگی میں اسے زندہ وتابندہ رکھا اگرچہ انھوں نے مولانا فراہی کے سامنے زانوائے تلمذ تہ نہیں کیا اور نہ ان کے وضع کردہ نہج پر چلنے والے مشہور تعلیمی مرکز مدرسۃ

الاصلاح (سرائے میر اعظم گڑھ) میں تعلیم حاصل کی، مگر ان کی تحریر اور انداز فکر و طرز عمل دیکھ کر شاید ہی کوئی اس سے انکار کرے کہ وہ دبستان فراہی کے خوشہ چیں اور مدرسۃ الاصلاح کے باقاعدہ طالب علم رہے ہیں۔ درحقیقت مولانا فراہی کے تلمیذ خاص مولانا اصلاحی کی شاگردی اور ان کی طویل رفاقت نے ان پر ایسا رنگ چڑھا دیا کہ وہ مکتب فراہی کے ایک ممتاز رکن اور فکر فراہی کے معروف ترجمان و شارح بن گئے۔

مولانا خالد مسعودؒ کے علمی کاموں کو عام طور پر دو حصوں (مولانا فراہی و مولانا اصلاحی کے کتب و رسائل کی ترتیب و تدوین، تلخیص و ترجمہ اور طبع زاد تحریروں) میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ علمی و دینی اعتبار سے دونوں بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ مرحوم کے تصنیفی و تالیفی کارناموں کے ضمن میں یہ بات خصوصی ذکر کی مستحق ہے کہ انھوں نے اپنے استاد کے ساتھ استاد الاساتذہ مولانا فراہی کی بعض کتب و رسائل کے ترتیب و ترجمہ اور ان کے افکار کی اشاعت کی خدمت بھی انجام دی ہے۔ دوسرے یہ کہ ترتیب و تدوین و ترجمہ تلخیص یا ذاتی تحقیقات کی صورت میں انھوں نے جو کچھ علمی سرمایہ چھوڑا ہے وہ زیادہ تر قرآن و سنت سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ بات معروف ہے کہ مولانا فراہی و مولانا اصلاحی کی بیشتر کتابیں اور رسائل قرآنیات سے متعلق ہیں۔ مرحوم نے ان میں سے متعدد کو مرتب و مدون یا اردو میں ان کا ترجمہ کر کے اہل علم کو ان سے متعارف کرایا اور شائقین قرآن کو ان سے استفادہ کا موقع فراہم کیا۔ واقعہ یہ کہ دونوں مفسرین قرآن کی بعض اہم قرآنی تالیفات سے استفادہ مشکل ہوتا یا محدود رہتا، اگر خالد مسعود صاحب نے انتہائی محنت و لگن سے انھیں مرتب کر کے شائع نہ کیا ہوتا یا دقیق عربی و فنی اسلوب میں لکھی گئی ان کتابوں کو سلیس اردو میں منتقل نہ کیا ہوتا۔ بلاشبہ یہ ایک عظیم علمی و دینی خدمت ہے۔ تیسرے یہ کہ انھوں نے اپنی تحریروں میں وہی علمی انداز اور عصری اسلوب اختیار کیا ہے جو ان کے مرشد گرامی کی تحریروں کا خاصہ تھا۔ چوتھے یہ کہ مرحوم نے مختلف موضوعات پر کتب و مضامین و اداریے تحریر کیے اور ان سب میں بنیادی رہنمائی قرآن کریم سے حاصل کی۔ بالفاظ دیگر تحریروں میں قرآنی فکر کی ترجمانی ان کی امتیازی شان تھی۔ پانچویں یہ کہ مرحوم کی تحریروں میں اجتہادی فکر کی بھی ترجمانی ملتی ہے جو مکتب فراہی کا ایک امتیاز رہا ہے اور اس مدرسہ کی ایک قدیم روایت رہی ہے جس کے وہ معنوی طالب علم تھے۔ انھوں نے اپنے استاد کی بعض آراء و تحقیقات سے بھی اختلاف کیا ہے، لیکن مہذب انداز میں اور دلائل کی بنیاد پر۔

جناب خالد مسعود صاحب کی مرتبہ، مصنفہ و مترجمہ کتب میں زیر بحث موضوع کی مناسبت سے چند کا تعارف یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے۔ مولانا فراہی کی جن کتابوں کا انھوں نے اردو میں تلخیص و ترجمہ پیش کیا ان میں تفسیر قرآن کے اصول اور حکمت قرآن خاص اہمیت کی حامل ہیں۔

تفسیر قرآن کے اصول:

بیسویں صدی عیسوی کے ہندوستانی علماء دین میں مولانا حمید الدین فراہیؒ مفسر قرآن و ماہر علوم قرآنی کی حیثیت سے خاصے مشہور ہیں۔ ایک طویل عرصہ تک قرآن مجید میں تدبر و تفکر کے بعد انھوں نے ''نظام القرآن وتاویل الفرقان بالفرقان'' کے نام سے عربی میں تفسیر لکھنی شروع کی تھی جو مکمل نہ ہو سکی اور صرف تیرہ سورتوں تک محدود رہی۔ یہ ایک منفرد نوعیت کی تفسیر ہے جس میں آیات کی تشریح و توضیح میں نظم قرآن (آیات کے باہمی ربط) کے پہلو کو ابھارا گیا ہے اور اس کے ذریعہ سے قرآنی نکات و معارف واضح کیے گئے ہیں۔ علم قرآن میں ان کی گہری دلچسپی و مہارت کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ انھوں نے اصول تفسیر کے مختلف پہلوؤں سے متعلق عربی میں رسائل تحریر کیے جو دلائل النظام، اسالیب قرآن و التکمیل فی اصول التاویل کے نام سے پہلے علیحدہ علیحدہ اور بعد میں رسائل الامام الفراہی فی علوم القرآن کے عنوان سے یکجا دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر سے شائع ہوئے۔ اس کے علاوہ انھوں نے اپنی تفسیر کا ایک مفصل مقدمہ بھی تحریر کیا تھا اور اس میں بھی اصول تفسیر شرح و بسط کے ساتھ زیر بحث آئے ہیں۔ اس کا اردو ترجمہ (از مولانا امین احسن اصلاحی) مقدمہ تفسیر نظام القرآن کے نام سے علیحدہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ مرحوم نے اصول تفسیر سے متعلق ان چاروں رسائل کے مباحث کو اردو میں اس طرح مرتب کر دیا کہ یہ ایک مستقل کتاب بن گئی جسے انھوں نے ''تفسیر قرآن کے اصول'' کے نام سے موسوم کیا۔ اس میں حسن ترتیب کی ایسی شان نمایاں ہے کہ قاری کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ اس کے مباحث چار علیحدہ کتابوں سے ماخوذ ہیں۔ کتاب میں ابواب اور ذیلی عناوین خود فاضل مترجم و مرتب کے قائم کردہ ہیں۔ اس کے مباحث سات ابواب میں منقسم ہیں جن کی تفصیل اس طور پر ہے۔

(۱) قرآن مجید میں تدبر و تفکر کی اہمیت (۲) قرآن مجید کی ترتیب (۳) قرآن ایک مربوط و منظم کتاب (۴) اصول تفسیر مدون کرنے کی ضرورت (۵) احوال تفسیر سے متعلق چند تمہیدی مباحث (۶) تفسیر قرآن کے اصول (۷) اصول تاویل۔

کتاب کے آخر میں تمام ابواب کے حواشی یکجا مسلسل دیے گئے ہیں۔ مزید برآں اصل سے مراجعت میں آسانی کے لئے فاضل مرتب نے متن کے اندر ہی ہر بحث کے بعد ماخذ کی نشاندہی (صفحات نمبر کے ساتھ) کی ہے اور اس کے لئے مخففات ر۔ برائے رسائل الامام الفراہی فی علوم القرآن اور م۔ برائے مقدمہ تفسیر نظام القرآن استعمال کیے ہیں۔

یہ کتاب اصول تفسیر پر قیمتی مواد کا مخزن ہے اس میں مولانا فراہی نے دوسرے معروف مفسرین کے اصول

تفسیر کا تنقیدی جائزہ لیا ہے اور اپنے وضع کردہ اصول نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان کیے ہیں۔ اس کے مطالعہ سے قرآن کریم میں تدبر و تفکر کی راہیں کھلتی ہیں۔ قرآنی آیات کی تشریح و توضیح کے بڑے قیمتی اصول مہیا ہوتے ہیں اور فہم قرآن کا ذوق پروان چڑھتا ہے۔ یہ کتاب خاص طور سے ان حضرات کے لئے بہت مفید ہے جن کے لئے مولانا فراہی کی عربی تحریروں سے استفادہ مشکل ہے۔ یہ کتاب جو ۲۲۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ ۱۹۹۹ء میں ادارہ تدبر قرآن و حدیث، رحمان سٹریٹ مسلم کالونی، محسن آباد، لاہور سے شائع ہوئی تھی۔ ہندوستان میں البلاغ پبلیکیشنز ۱۰۔ اعظمی اپارٹمنٹ، این۔۱، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی نے بھی اسے ۲۰۰۳ء میں شائع کیا ہے۔

حکمت قرآن:

قرآنیات سے متعلق جناب خالد مسعود صاحب کی دوسری اہم خدمت مولانا فراہی کے دو غیر مطبوعہ غیر مرتب و نامکمل عربی رسائل حکمۃ القرآن اور النظام فی الدیانۃ الاسلامیہ کی اردو ترجمانی و ترتیب ہے۔ یہاں واضح رہے کہ مولانا فراہی اپنی عربی کتاب حکمۃ القرآن کو چار حصوں میں تقسیم کر کے لکھنا چاہتے تھے لیکن وہ صرف تین حصے مکمل کر سکے۔ اس کا تیسرا حصہ، جو بقول مترجم گرامی پہلے رسالہ سے متعلق ہے، دین اسلام کے بنیادی امور ان کے اندرونی نظام، باہمی تعلق اور ان کی حکمت سے بحث کرتا ہے۔ مولانا فراہی نے اس کا ایک علیحدہ نام النظام فی الدیانۃ الاسلامیہ رکھا۔ اس طرح اس کی حیثیت ایک الگ رسالہ کی معلوم ہوتی ہے[9] بہر حال خالد مسعودؒ صاحب نے ان دونوں کے متن کے ترجمہ کو "حکمت قرآن" کے تحت جمع کر دیا ہے۔ انھوں نے اپنے ذوق کے مطابق اس کے مشتملات کو دو بڑے حصوں، ابواب اور متعدد ذیلی سرخیوں میں تقسیم کیا ہے جس سے اس کی افادیت اور بڑھ گئی ہے۔

اس کے ابواب اس طور پر ہیں:

(۱) حکمت کا مفہوم (۲) حکمت کی اصل اور اس کی فروع (۳) حکمت کی تعلیم اور اس کا حصول (۴) حکمت اور قرآن حکیم (۵) حکیم کا طرز فکر و تعلیم (۶) دین اسلام کا نظام (۷) مذہب پر غور کا طریقہ (۸) دین اسلام کی بنیادیں۔

کتاب کے شروع میں "امام فراہی کا تصور حکمت" کے عنوان سے فاضل مترجم کا رقم کردہ ایک طویل مقدمہ ہے جو اس کے مباحث کو سمجھنے کے لئے بہت مفید ہے۔

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر "الحکمۃ" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ بعض جگہوں پر "الکتاب والحکمۃ" ایک ساتھ مذکور ہے۔ کہیں کہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے الحکمۃ کے نازل کرنے یا وحی کرنے کا ذکر ملتا ہے۔ اس لفظ سے قرآن کی کیا مراد ہے۔ "الکتاب والحکمۃ" میں حکمۃ کا کیا مدلول ہے۔ قدیم و جدید علما، بالخصوص مفسرین کے مابین

اس لفظ کے مفہوم کی تعیین میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس سیاق میں حکمت قرآن سے متعلق مولانا فراہی کی تفصیلی بحث اور اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر اظہار خیال بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے اردو ترجمہ کے ذریعہ خالد مسعودؒ صاحب نے شائقین کو ایک قیمتی ومفید بحث سے روشناس کرایا جو بجا طور پر ان کی قرآنی خدمات کا ایک اہم جزء ہے۔ اس کی اہمیت اس وجہ سے اور زیادہ بڑھ گئی ہے کہ اصل کتاب ابھی مسودہ کی صورت میں ہے اور اگر عربی مسودہ چھپ بھی گیا ہوتا تو اردو داں طبقہ کے لیے اس سے استفادہ آسان نہ تھا۔

اس کتاب کے مباحث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مولانا فراہی کی نظر میں ''حکمت'' سے مراد وہ قوت یا صلاحیت ہے جس کی بدولت ایک شخص صحیح فیصلہ کرسکتا ہے۔ حکمت در حقیقت ایک نور ہے جس کی روشنی میں صاحب حکمت خیر وشر اور حسن وقبح دونوں کا ادراک کرلیتا ہے۔ ان کے نزدیک حکمت سب سے پہلے انسان کے دل میں بطور بصیرت ظاہر ہوتی ہے۔ دل منور ہوتا ہے تو اس کا اثر کلام پر پڑتا ہے، وہ حق بات کہتا، نیکی کی تعلیم دیتا اور بدی سے روکتا ہے۔ اس کے بعد حکمت اس کے عمل سے ظاہر ہوتی ہے تو وہ اخلاق فاضلہ اختیار کرلیتا ہے، اس طرح اس کے علم وعمل میں کامل مطابقت ہو جاتی ہے [۷]۔ اگرچہ مولانا فراہی نے یہ وضاحت کی ہے کہ حکمت اکتسابی نہیں ہے بلکہ یہ عطیہ الٰہی ونعمت خداوندی ہے، لیکن وہ ان ذرائع کی نشاندہی کرتے ہیں جنھیں اختیار کرکے ایک شخص اس کی توفیق طلب کرسکتا ہے یا اس کا مستحق بن سکتا ہے۔ ان میں سب سے اہم دل کا خشوع ہے جسے وہ دل میں حکمت کے داخل ہونے کا دروازہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں جس شخص کا دل خشیت سے معمور ہوتا ہے، اس میں یہ احساس اجاگر ہوتا ہے کہ یہ دنیا ایک عظیم مقصد کے تحت وجود میں آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ پاک وبرتر اور عادل ہے اور انسان غلطی کرتا ہے، صحیح راہ سے بھٹک جاتا ہے اور نافرمانی کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس احساس سے اس کے دل میں خشیت کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اپنے آپ کو خواہشات نفس کی پیروی سے باز رکھتا ہے اور جلوت وخلوت دونوں میں وہ اپنے احکام الٰہی کا پابند بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ نتیجے کے طور پر اس کا قلب صاف وشفاف ہوکر حکمت کے نور سے روشن ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جو چیزیں اس عطیہ کا اہل ومستحق بناتی ہیں وہ ہیں ذکر الٰہی، تلاوت قرآن اور مخلوق خدا کے ساتھ محبت وشفقت اور ہمدردی۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حصول حکمت کے لیے ان ذرائع کو اختیار کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے مولانا فراہیؒ نے اس نکتہ پر خاص زور دیا ہے کہ اس کے حصول میں کامیابی کلی طور پر اللہ رب العزت کی توفیق پر منحصر ہے [۸]۔ سچ بات یہ ہے کہ اس کے حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے سوائے طلب توفیق ایزدی کے۔

اس کتاب کا ایک مفید پہلو یہ بھی ہے کہ قرآنی اصطلاح ''الحکمۃ'' سے بحث کرتے ہوئے مصنف گرامیؒ نے دوسرے علماء مفسرین کے نتائج فکر بھی پیش کیے ہیں۔ انھوں نے ان علماء سے اختلاف کیا ہے جو قرآن کریم میں

مذکورہ ''الکتاب والحکمۃ'' سے قرآن وحدیث مراد لیتے ہیں۔ انھوں نے اس خیال کے خلاف متعدد دلائل دیے ہیں ان میں دو اہم یہ ہیں کہ قرآن میں ''الحکمۃ'' کے لیے انزل' اوحی وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو قرآن ہی کے ساتھ مخصوص ہیں۔ دوسرے قرآن نے خود اپنے بیان کردہ اصول وحقائق کو حکمت سے تعبیر کیا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حکمت کو بہرحال قرآن سے باہر کی کوئی چیز سمجھنا صحیح نہیں ہے اگرچہ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حدیث میں بھی حکمت کی باتیں ملتی ہیں اور اس سے حکمت قرآن کی وضاحت بھی ہوتی ہے۔[9] ''حکمت قرآن'' جو ۱۴۱ صفحات پر مشتمل ہے پہلی بار ۱۹۹۵ء میں فاران فاؤنڈیشن فیروز پور روڈ' اچھرہ لاہور سے شائع ہوئی تھی۔ بعد میں دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح' سرائے میر اعظم گڑھ کے زیر اہتمام بھی طبع ہوئی ہے۔

علم قرآن سے متعلق مولانا فراہی کی ایک عربی تالیف ''اسالیب القرآن'' ہے۔ مرحوم نے اس کا بھی اردو ترجمہ کیا تھا جو قسط وار رسالہ میثاق اور تدبر میں شائع ہو چکا ہے۔ وہ اپنی زندگی کے آخری ایام میں اس کو کتابی صورت میں مرتب کر رہے تھے کہ وقت موعود آگیا۔[10] توقع ہے کہ ادارہ تدبر قرآن وحدیث میں ان کے جانشین حضرات اس کتاب کی تکمیل واشاعت کو اولین ترجیح دیں گے تاکہ مرحوم کی یہ قرآنی خدمت بھی جلد منظر عام پر آجائے اور قرآنیات کے طلبہ و محققین اس سے مستفید ہو سکیں۔ یہاں یہ ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا فراہی کا ایک مختصر گر قیمتی غیر مطبوعہ رسالہ ''حجج القرآن'' کے نام سے ہے۔ جناب خالد مسعود نے اس کی اردو تلخیص ''قرآن کا طرز استدلال'' کے عنوان سے کی تھی جو تدبر میں شائع ہو چکی ہے۔

اس بات کے واضح شواہد موجود ہیں کہ قرآنیات سے متعلق مولانا فراہی کے بعض عربی مسودات و ناتمام تحریروں کی صورت میں اپنے استاد کے سپرد کردہ امانت کو جناب خالد مسعود مرحوم نے خوش اسلوبی سے نبھایا اور ان کی ترتیب و تدوین اور اردو ترجمانی واشاعت میں بڑی دلچسپی وسرگرمی کا مظاہرہ کیا۔ اسی طرح انھوں نے اپنے استاد محترم کی نگارشات و خطبات کو مرتب و مدون کرنے' انھیں بہتر سے بہتر انداز میں پیش کرنے اور ان سے استفادہ کو آسان کرنے کی خدمت بحسن وخوبی انجام دی اور اس ضمن میں بلا تکلف یہ کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے شاگردی کا حق ادا کر دیا۔ مولانا اصلاحی کی نسبت سے ان کی مرتبہ کتب میں مقالات اصلاحی' جلد اول' تفہیم دین' فلسفہ کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں' تدبر حدیث شرح صحیح بخاری' تدبر حدیث شرح موطا امام مالک (جلد اول) اور تلخیص تفسیر تدبر قرآن خاصی معروف ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس عظیم واہم کام کی انجام دہی میں مرحوم کو ادارہ تدبر قرآن وحدیث کے رفقائے کرام کا بھرپور تعاون حاصل رہا ہے۔ مذکورہ بالا کتب میں سے بیشتر میں قرآن و علم قرآن سے متعلق مباحث ملتے ہیں لیکن زیر بحث موضوع کے اعتبار سے مؤخر الذکر سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ اس کا مختصر تعارف ذیل میں دیا جا رہا ہے۔

قرآن حکیم، مع ترجمہ اور اخذ و تلخیص تفسیر تدبر قرآن:

یہ بات بخوبی معروف ہے کہ مولانا امین احسن اصلاحی کی معرکۃ آراء تفسیر تدبر قرآن نو جلدوں پر مشتمل ہے جو تقریباً چھ ہزار صفحات میں پھیلی ہوئی ہے۔ عرصہ سے یہ ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ افادۂ عام کی خاطر مولانا اصلاحی کا ترجمہ قرآن تفسیر سے الگ کر کے مع مختصر حواشی علیحدہ ایک جلد میں شائع کیا جائے۔ اس مبسوط تفسیر کا حواشی کی صورت میں اختصار بڑا مشکل و وقت طلب کام تھا۔ اسے بھی ان کے لائق و فائق شاگرد جناب خالد مسعودؒ نے بطریق احسن انجام دیا۔ اس کی تلخیص مذکورہ بالا نام سے تقریباً تین سال قبل منظر عام پر آ چکی ہے جو خاصی مقبول ہوئی۔ اس قیمتی مجموعہ کے مشمولات کی ترتیب یہ ہے کہ ہر صفحہ پر پہلے قرآنی آیات کا متن درج ہے اس کے نیچے مندرجہ آیات کا ترجمہ دیا گیا ہے اور پھر تفسیری نکات کی تلخیص حواشی کی صورت میں دی گئی ہیں۔ ان حواشی کے سلسلہ میں اہم بات یہ ہے کہ سورہ نور تک کے ملخص حواشی مولانا اصلاحی کی زندگی ہی میں رسالہ ''تدبر'' میں بالاقساط شائع ہو چکے تھے اور انھوں نے اس کی تحسین بھی فرمائی تھی جس کا تلخیص کے مقدمہ میں فاضل مرتب نے ذکر کیا ہے۔ حواشی کی نوعیت واضح کرتے ہوئے وہ رقم طراز ہیں:

> ''ترجمہ کے نیچے مختصر حواشی دیے گئے ہیں۔ یہ ان مقامات پر ہیں جہاں قاری ذرا وضاحت کے بعد مفہوم بہتر طور پر اخذ کر سکتا ہے۔ یہ حواشی مولانا کی تفسیر سے ماخوذ بیشتر انہی کے الفاظ میں ہیں۔ ان کی بدولت قاری مولانا کے افکار اور ان کی اہم تحقیقات سے کسی قدر واقف ہو سکے گا۔ ہر سورہ کے حاشیہ سے قبل اس سورہ کا مرکزی مضمون چند الفاظ میں بیان کیا گیا ہے تاکہ تلاوت کرتے ہوئے قاری اس کو ذہن میں رکھ کر سورہ کے نظام کو سمجھنے میں آسانی محسوس کرے۔ حواشی کی بابت یہ بتانا بے محل نہ ہوگا کہ راقم مولانا اصلاحی سے تلمذ کی نسبت رکھتا ہے اور سورہ نور تک کے حواشی مولانا کی حیات ہی میں قسط وار رسالہ ''تدبر'' میں شائع ہوتے رہے ہیں اور انھوں نے بارہا ان کی تحسین فرمائی۔''[11]

یہ ترجمہ و تلخیص خاص طور سے ان حضرات کے لئے بہت مفید ثابت ہو رہا ہے جو وقت کی کمی کی وجہ سے ''تدبر قرآن'' کا بالاستیعاب مطالعہ نہیں کر سکتے یا اس کے طویل مباحث اخذ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ ۹۲۲ صفحات پر مشتمل یہ مجموعہ فاران فاؤنڈیشن لاہور سے ۲۰۰۰ء میں شائع ہوا تھا[12]۔ حال ہی میں نئی دہلی سے اس کا ہندوستانی ایڈیشن نکلا ہے۔

اوپر یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ مولانا فراہی و مولانا اصلاحی کی کتابوں کی ترتیب و تدوین اور اردو ترجمانی و تلخیص کے علاوہ مرحوم نے ذاتی تحقیقات بھی یادگار چھوڑی ہیں۔ ان میں ان کی آخری تصنیف ''حیات رسول امیؐ'' خصوصی

اصلی تحقیق ہے۔ اگرچہ یہ سیرت کی کتاب ہے لیکن اپنے منفرد و مخصوص انداز (قرآن کریم کو سیرت نبویؐ کے اولین و اہم ترین ماخذ کی حیثیت دینے) کی وجہ سے اسے بجا طور پر مصنف محترم کی قرآنی خدمات میں بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔

حیات رسول امی صلی اللہ علیہ وسلم:

اس سے قبل یہ ذکر آ چکا ہے کہ مولانا خالد مسعود صاحب نے اپنے استاد کے استاد کی اس فکر کو اپنے اندر پوری طرح رچا بسا لیا تھا کہ قرآن تمام علوم کا مرکز و محور ہے۔ وہ ہر چیز پر حاکم ہے اور تمام علوم اس کے تابع ہیں۔ یہ بات بھی واضح کی جا چکی ہے کہ اسی فکر سے متاثر ہو کر انھوں نے جس موضوع پر قلم اٹھایا اس کے لیے بنیادی رہنمائی قرآن سے حاصل کی اور زیر تعارف کتاب اس کا بہترین نمونہ ہے۔ یہ کتاب اصلاً قرآن کریم پر مبنی ہے۔ اس کے ذریعہ انھوں نے سیرت نگاری کو ایک نیا رخ اور نیا نہج عطا کیا۔ اس سے انکار نہیں کہ سیرت نبویؐ مرتب کرتے وقت دوسرے سیرت نگاروں نے بھی قرآن سے استفادہ کیا ہے لیکن عام طور پر انھوں نے محض آیات نقل کی ہیں۔ سیرت نگاری یعنی سیرت کے واقعات کی ترتیب اور ان سے اخذ نتائج میں قرآن سے بہت کم مدد لی ہے۔ اسی طرح سیرت کے کسی پہلو یا واقعہ سے متعلق اختلاف روایات کی صورت میں قرآن کی روشنی میں اسے حل کرنے کی کم ہی کوشش کی گئی ہے۔ اس کتاب کی تالیف سے جناب خالد مسعودؒ نے یہ ثابت کر دیا کہ سیرت نبویؐ کا سب سے اہم ماخذ قرآن کریم ہے نہ کہ روایات و آثار۔ کتاب کے مقدمہ میں وہ اسی نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "قرآن پڑھیں تو اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات، آپ کی بعثت کے کوائف، دعوت دین کے مراحل، ہجرت، جنگوں کے واقعات، مشرکین اور یہود کے ساتھ اہم بحثوں اور حضور کی زندگی سے متعلق دیگر موضوعات کا بیان ملتا ہے۔ ایک آدمی قرآن کا مطالعہ غور سے کرے تو وہ سیرت النبیؐ کے تمام ضروری مباحث سے آگاہی حاصل کر لیتا ہے۔ اسی سے یہ بات عمومی حلقوں میں مانی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات یا سیرت کا سب سے اہم ماخذ قرآن مجید ہے۔ اس کے بعد احادیث نبویؐ اور اولین کتب سیرت کا مطالعہ اس کے ماخذ کی حیثیت سے راہنمائی دیتا ہے۔ اس اعتراف کے باوجود عملاً یہ دیکھا گیا ہے کہ حضورؐ کے جدید سیرت نگاروں نے ماضی میں لکھی گئی کتب سیرت ہی پر اعتماد کیا ہے۔ جن لوگوں نے قرآن سے استفادہ کیا ہے وہ عموماً محض آیات کو نقل کر دیتے ہیں۔ ان سے سیرت نگاری میں مدد نہیں لیتے۔"[۱۳]

یہاں یہ ذکر بھی اہمیت سے خالی نہ ہوگا کہ اس منفرد سیرت نگاری کی تحریک اصلاً ان کے استاد کی پیدا کردہ تھی۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ ۱۹۶۷ء کے آس پاس مولانا اصلاحیؒ کے ایک دوست نے ان سے قرآن کی روشنی میں

سیرت نبویؐ پر ایک کتاب لکھنے کی فرمائش کی۔ مولانا نے اس تجویز کو پسند فرمایا' لیکن اس وقت تفسیر تدبر قرآن کی تکمیل میں منہمک ہونے کی وجہ سے اس کام کی انجام دہی سے معذوری ظاہر کی۔ پھر ان صاحب نے مولانا سے دریافت کیا کہ آپ کے شاگردوں میں کوئی اس کام کو کر سکتا ہے۔ مولانا نے جواب میں خالد مسعود صاحب کا نام لیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ مولانا کے اس جواب پر میں دل ہی دل میں ہنسا کہ وہ میرے بارے میں کس قدر خوش فہمی میں مبتلا ہیں[۱۳]۔ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت کسی کو کیا معلوم تھا کہ اس اہم علمی و دینی خدمت کے لئے قرعہ فال مولانا کے لائق شاگرد کے نام نکل چکا ہے اور وہ اپنی زندگی کا آخری حصہ اسی کام کے لئے وقف کر دیں گے۔ بہرحال کتاب کے مشتملات پوری طور پر اس بات کے شاہد ہیں کہ شاگرد نے اپنے استاد کی خواہش بحسن وخوبی پایہ تکمیل کو پہنچائی اور سیرت مہبط وحی کے لئے وحی کو بنیادی ماخذ کے طور پر استعمال کیا۔ اسی نقطۂ نظر کے تحت مولف گرامی نے سیرت سے متعلق بعض مشہور روایات کو قبول نہیں کیا' اس لئے کہ وہ قرآن کی کسوٹی پر پوری نہیں اترتی تھیں۔ اس ضمن میں مثال کے طور پر نبوت کے ابتدائی برسوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کی نوعیت اور غزوہ بدر کے محرکات و عوامل پر اس کتاب کے مباحث دیکھے جا سکتے ہیں۔

محسوس ہو رہا ہے کہ اس آخری کتاب کو لکھتے ہوئے استاد گرامی کا زاویہ فکر ان کے ذہن و دماغ پر پوری طرح چھایا ہوا تھا اور وہ ان کے تلمذ کے احساس سے گراں بار تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے ٹائٹل کور پر انھوں نے بہ اصرار اپنے نام کے ساتھ "تلمیذ مولانا امین احسن اصلاحی" لکھوایا۔ ۵۹۸ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ادارہ دار التذکیر رحمان مارکیٹ' غزنی سٹریٹ' اردو بازار لاہور سے جولائی ۲۰۰۳ء میں شائع ہوئی جس کا دوسرا ایڈیشن حال ہی میں دسمبر ۲۰۰۳ء کو شائع ہوا ہے۔

جناب خالد مسعودؒ نے مختلف طور پر قرآنی تعلیم کی اشاعت و قرآنی فکر کے فروغ میں حصہ لیا۔ انھی میں درس قرآن میں دلچسپی اور اس کا اہتمام بھی شامل تھا۔ درس قرآن مولانا اصلاحی کا نہایت پسندیدہ مشغلہ تھا۔ مولانا اصلاحی کی صحبت اختیار کرنے کے بعد اس نوع کے پروگرام میں ان کی دلچسپی بڑھتی گئی۔ بعد میں وہ مولانا کے قائم کردہ "حلقہ تدبر قرآن" کے روح رواں بن گئے۔ ۱۹۸۰ء میں تفسیر کی تکمیل کے بعد مولانا نے اسے وسعت دے کر "ادارہ تدبر قرآن وحدیث" قائم کیا۔ مولانا اصلاحی اس ادارہ کے صدر اور جناب خالد مسعود اس کے ناظم منتخب ہوئے۔ اس ذمے داری کو انجام دیتے ہوئے انھوں نے قرآن وحدیث کی جو خدمت کی بالخصوص قرآنی علوم و افکار کی اشاعت میں جو سرگرمی دکھائی اس پر مجالس' دروس قرآن وحدیث کی روداد' رسالہ تدبر کے مضامین و اداریے اور اس ادارہ کے زیر اہتمام شائع ہونے والی کتابیں شاہد ہیں۔ اس ادارہ کی سرگرمیوں کا ایک اہم حصہ مختلف مقامات پر درس قرآن وحدیث کا اہتمام تھا۔ مرحوم نے اس میں بھی خاصی دلچسپی لی۔ آخر عمر میں مولانا اصلاحی اپنی سخت

بیماری کی وجہ سے جب درس دینے سے معذور ہو گئے تو خالد مسعود صاحب نے اس سلسلہ کو جاری رکھا۔ یہاں یہ وضاحت بھی اہمیت سے خالی نہ ہوگی کہ ادارہ تدبر قرآن وحدیث کے زیر اہتمام درس قرآن دینے سے قبل وہ اپنے گھر پر اور بعض مساجد میں بھی درس دیتے رہتے تھے۔ اس سے اس دینی خدمت میں ان کی ذاتی دلچسپی کا ثبوت ملتا ہے۔ مرحوم کی ادارت میں مجلہ تدبر میں قرآن، حدیث، فقہ، سیرت، علم الکلام، سماجیات و سیاسیات جیسے مختلف موضوعات پر مضامین شائع ہوتے تھے، لیکن غالب حصہ قرآنیات پر ہوتا تھا۔ مزید برآں یہ بات بخوبی معروف ہے کہ مولانا فراہی و مولانا اصلاحی کی تفسیر وعلم تفسیر سے متعلق متعدد کتب کے اردو ترجمے یا ان کے ملخص مباحث پہلے تدبر میں قسط وار شائع ہوتے رہے اور بعد میں وہ کتابی صورت میں منظر عام پر آئے۔ ان میں حکمت قرآن، اسالیب قرآن، اصول فہم قرآن اور تلخیص تفسیر تدبر قرآن خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

مختصر یہ کہ جناب خالد مسعودؒ نے اپنی علمی مصروفیات کا محور ومرکز قرآن کو بنایا اور وہ اپنی علمی زندگی کے آغاز سے عمر کے آخری ایام تک قرآن کی خدمت انجام دیتے رہے۔ صاحب زادہ انوار احمد بگوی صاحب نے صحیح فرمایا ہے کہ امام امین احسن اصلاحیؒ کے سینکڑوں شاگرد تھے خود علامہ خالد مسعود کے بیسیوں شاگرد تھے مگر وہ اپنے جلیل القدر استاذ امام کے مانند ہمیشہ قرآن کے طالب علم اور محقق رہے ہیں[14]۔ اسی کے ساتھ ان کی شخصیت کا دوسرا پہلو بھی بہت قابل قدر ہے اور وہ یہ کہ انھوں نے عمل کی دنیا میں بھی قرآن مجید ہی کو اپنا محور بنایا اور اسی کی رہنمائی میں شب و روز بسر کیے۔ دین داری و پرہیزگاری، صبر وشکر، قناعت ومتانت، سادگی وانکساری، خوش مزاجی ونرم گفتاری، ملنساری ومہمان نوازی، اہل خانہ، اعزہ کی خبر گیری، غرباء ومساکین کی دستگیری، بے نفسی اور ریاو نمود سے دوری ان کے اوصاف حمیدہ میں شامل تھے۔

ان کے اوصاف میں جو چیز سب سے زیادہ جاذب نظر تھی وہ تھی ان کی سادگی وانکساری۔ علم قرآن وحدیث میں مہارت، سیرت واسلامی تاریخ پر گہری نظر، فقہ وفلسفہ سے بخوبی واقفیت، عربی، فارسی، اردو وانگریزی پر عبور اور جدید علوم وعصری اسلوب سے آشنائی رکھنے کے باوجود نہ علم کا زعم اور نہ فخر ومباہات، جلالت علمی کے باوصف نہ علمیت کی نمائش اور نہ غرور کا شائبہ۔ مولانا اصلاحی سے فیض یافتہ اور ادارہ تدبر قرآن وحدیث کے ایک ممتاز رکن محبوب سبحانی صاحب نے صحیح لکھا ہے: "راسخون فی العلم ہونے کے باوجود اکڑ غرور نام کو بھی نہیں بلکہ عباد الرحمٰن کی طرح عاجزی اور فروتنی تھی۔ شجر ثمر بار کی طرح انکسار تھا۔ ملنساری وخوش اخلاقی ان کی ادا تھی[15]۔ ناچیز کو ان باتوں کا کچھ تجربہ بھی ہے۔ ۲۴ تا ۲۶ فروری ۱۹۹۹ء کو مدرسۃ الاصلاح میں منعقدہ مولانا امین احسن اصلاحی سیمینار کے دوران دو تین روز موصوف کا ساتھ رہا۔ سیمینار کی نشستوں میں ملاقات وتبادلہ خیال کے ساتھ ذاتی ملاقاتیں بھی رہیں۔ بڑی محبت واپنائیت سے پیش آئے۔ ایسا محسوس ہوتا کہ برسوں کی ملاقات ہے۔ تکلف وتصنع نام کو نہ تھا، تعلقات و

معاملات' تحریر و تقریر ہر بات میں صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے۔ اپنی باتوں پر نقد اعتراض کو بخوشی گوارا کرتے اور ضرورت سمجھتے تو علمی انداز و نرم لہجہ میں ان کا جواب دیتے۔ ''تدبر'' کے مولانا امین احسن اصلاحی نمبر کے لئے مجھ سے بھی مضمون لکھوایا تھا' اسے شائع کیا اور اس میں جو کچھ فروگزاشتیں انھیں نظر آئیں تو تفصیلی خط کے ذریعے ان سے آگاہ کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ مرحوم ایک صاحب کردار عالم و صاحب سیرت مصنف تھے۔ انھوں نے اپنی عملی زندگی سے یہ پیغام دیا کہ اس علم کی قدر و قیمت اور افادیت ہے جس کا تعلق عمل سے اور تقویٰ سے استوار ہو اور ایسے اصحاب علم جو اچھی سیرت' بلند کردار اور اعلیٰ اخلاق کے مالک نہیں ان کا علم بے وقعت ہے اور وہ بے فیض ہیں۔ سچ بات یہ ہے کہ جب یا اپنے علم سے خود اپنے آپ کو فیض نہیں پہنچا سکے تو دوسروں کو کیا پہنچائیں گے۔ یہ بڑی اہم بات ہے کہ مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے علم دین سے نوازا تھا اور انھیں اس پر عمل کرنے کی توفیق بھی مرحمت فرمائی تھی۔

اللہ رب العزت ان کی خطاؤں ولغزشوں سے درگزر فرمائے' ان کے درجات بلند فرمائے۔ انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور ہم سب کو قرآن وسنت کی خدمت اور ان پر کاربند رہنے کی توفیق عنایت کرے۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

حواشی و مراجع

۱۔ محبوب سبحانی' ذکر دانائے راز' تدبر' شمارہ نمبر ۸۱' ستمبر ۲۰۰۳ء' ص ۳

۲۔ حوالہ مذکور' ص ۷

۳۔ خالد مسعود' فکر فراہی' تدبر' سلسلہ نمبر ۲۳' دسمبر ۱۹۸۷ء فروری ۱۹۸۸ء' ص ۴

۴۔ مولانا حمید الدین فراہی پر ان کے مضامین کی فہرست کے لئے ملاحظہ فرمائیں۔ ظفر الاسلام اصلاحی' کتابیات فراہی' ادارہ علوم القرآن' سرسید نگر' علی گڑھ ۱۹۹۱ء' ص ۴۹' ۵۰

۵۔ مولانا فراہی کے عربی تفسیری اجزاء علیحدہ علیحدہ شائع ہوئے ہیں بعد میں ان کا اردو ترجمہ (از مولانا امین احسن اصلاحی) یکجا ''مجموعہ تفاسیر فراہی'' کے نام سے مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی لاہور' انجمن خدام القرآن لاہور اور فاران فاؤنڈیشن لاہور سے شائع ہوا۔ دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح نے اس کا نظر ثانی شدہ ایڈیشن ''تفسیر نظام القرآن'' کے نام سے شائع کیا ہے۔

۶۔ حمید الدین فراہی' حکمت قرآن (اردو ترجمہ از خالد مسعود) فاران فاؤنڈیشن لاہور۔ ۱۹۹۵ء۔ ص ۱۱۔ ۱۲' ۲۳۔ ۲۵

۷۔ حکمت قرآن' محولہ بالا۔ ص ۱۱۔ ۱۹' ۳۱' ۳۲' ۳۵' ۳۶

۸۔ حوالہ مذکور' ص ۲۳۔ ۲۴' ۳۸۔ ۵۰' ۶۴۔ ۶۵

۹۔ حوالہ مذکور' ص ۱۹۔ ۲۳' ۳۹۔ ۴۵

۱۰۔ محبوب سبحانی' مضمون محولہ بالا' ص ۵

۱۱۔ قرآن حکیم — مع ترجمہ اور اخذ و تلخیص تفسیر تدبر قرآن (ترجمہ۔ مولانا امین احسن اصلاحی' اخذ و تلخیص: خالد مسعود)

فاران فاؤنڈیشن لاہور۔ ۲۰۰۰ء ص ۵ (پیش لفظ)

۱۲۔ اس مجموعہ کا تعارف ششماہی علوم القرآن (علی گڑھ) کے شمارہ ۱۶ء ۱۲۰۰۱ء جنوری۔ دسمبر ۲۰۰۱ء میں شائع ہوا ہے۔

۱۳۔ خالد مسعود تحفہ مولانا امین احسن اصلاحی۔ حیات رسول امی صلی اللہ علیہ وسلم دار التذکیر لاہور ۲۰۰۳ء ص ۱۱ (تمہید)

۱۴۔ ڈاکٹر صاحبزادہ انوار احمد بگوی 'فکر اصلاحی کا امین' اشراق ۱۵/۱۲، دسمبر ۲۰۰۳ء ص ۵۷

۱۵۔ محبوب سبحانی 'مضمون محولہ بالا ص ۸

خالد مسعودؒ بطور ایک سیرت نگار

خالد مسعودؒ کے انتقال کی خبر نے دل و دماغ کو صدمے سے نڈھال کر دیا۔ اس سال شروع ہی سے ان کا تیار کردہ ترجمہ قرآن و تلخیص میرے زیر مطالعہ رہا۔ اس دوران بار بار یہ خیال آتا رہا کہ انھوں نے یہ بہت بڑا کام کیا ہے۔ سیرت پر ان کے مضامین کا تو میں شروع دن ہی سے مداح رہا ہوں۔ ''حیات رسول امی'' چھپ گئی ہے۔ سیرت پر اس انداز سے کوئی کتاب جس میں قرآن مجید کی روشنی میں آنحضرت کی سیرت کا بیان ہو اور جس میں تاریخ و سیر کے تمام واقعات کو قرآن کی روشنی ہی میں پرکھا گیا ہو اس سے پہلے نہیں لکھی گئی ہے۔ انھوں نے اس کتاب میں واقعات کو بیان کرتے ہوئے جس نکتہ رسی اور باریک بینی کا مظاہرہ کیا ہے وہ ان ہی کا حصہ ہے۔ انھوں نے قرآنی حکمت سے واقعات کو پرکھنے اور معاملات کی تہہ تک پہنچنے کا جو ملکہ پایا تھا اس کی جھلک ان کے سیرت پر مضامین میں بہت نمایاں ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ سیرت پر اس عارفانہ اور فلسفیانہ شان سے لکھنے کا کام وہی کر سکتے تھے اور انھوں نے اسے نہایت شاندار طریقے سے انجام دیا۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی ان عظیم خدمات کو رائیگاں نہیں کرے گا اور جو حقائق انھوں نے نمایاں کیے ہیں وہ ان شاء اللہ مزید برگ و بار لائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے حسنات کو قبول فرمائے انہیں خاص اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کی مغفرت فرمائے —— آمین

(ڈاکٹر منصور الحمید —— سعودی عرب)

فکر اصلاحی کا امین

جاوید احمد غامدی

[علامہ خالد مسعود کے سانحۂ ارتحال پر ایک تعزیتی اجلاس میں مدیر ''اشراق'' کا خطبۂ صدارت]

الحمد للہ رب العالمین، الصلوۃ والسلام علی محمد الامین، فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔

بزرگان گرامی قدر، خواتین و حضرات!

ہم اس وقت ایک بندۂ مومن، دین کے ایک منفرد اور جید عالم اور تعلیم و تعلم کی ایک غیر معمولی روایت کے امین جناب خالد مسعود کی تعزیت کے لیے جمع ہوئے ہیں۔

خالد مسعود صاحب کس طرح کے عالم تھے۔ علما وہ بھی ہیں جو ہماری مساجد میں گاہے گاہے نغمہ سنج رہتے ہیں، علما وہ بھی ہیں جو درس گاہوں میں تعلیم و تعلم اور رشد و ہدایت کی خدمات انجام دے رہے ہیں اور علما وہ بھی ہیں جنھوں نے اب سیاست ہی کو اپنا پہلا اور آخری عشق بنا لیا ہے۔

خالد مسعود کس طرح کے آدمی تھے۔ مجھ سے بارہا لوگ یہ پوچھتے ہیں کہ کیا یہ وہی امت ہے جو کسی زمانے میں دنیا پر حکومت کرتی رہی ہے؟ کیا یہ وہی امت ہے جسے صدیوں تک دنیا میں ایک سپر پاور کی حیثیت سے اسلام کا علم بلند کرنے کا شرف حاصل رہا ہے؟ کیا یہ وہی امت ہے جس کے علم و دانش کے ورثے اس وقت دنیا کے کتب خانوں کی امانت ہیں اور جس میں قرطبہ و غرناطہ اور قسطنطنیہ و بغداد کے علم و فضل کی عظیم روایت کو دیکھا جا سکتا ہے۔ ایسا کیوں ہوا کہ یہ امت ادبار میں مبتلا ہو گئی، زوال کے آخری مقام تک پہنچ گئی اور پستی میں گر گئی؟ اس کے جواب میں میں یہ عرض کیا کرتا ہوں کہ اس امت کی تاریخ پر گہری نظر ڈال کر دیکھا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ بنیادی طور پر اس کے دو ہی اسباب رہے ہیں: ایک یہ کہ دوسری تیسری صدی کے بعد قرآن مجید جو اللہ کی کتاب ہے، جس کو پروردگار نے میزان اور فرقان کی حیثیت دی ہے، جس کی حفاظت کا ذمہ اس نے خود اٹھایا ہے، جس کے دنیا میں موجود

ہونے کی وجہ سے ختم کر دی گئی ہے یہ مسلمانوں کے علم اور عمل، دونوں کا محور نہیں رہا۔ یعنی دوسری صدی کے بعد قرآن کو یہ حیثیت حاصل نہیں رہی کہ جب کسی معاملے کا فیصلہ کرنا ہو، کسی مسئلے پر غور کرنا ہو، مذہب سے متعلق کوئی رائے قائم کرنی ہو، علم و دانش میں کوئی نقطۂ نظر اختیار کرنا ہو تو لوگ اسے محور بنا کر اس پر غور کریں۔ یہ ایک حوالے کی کتاب تو ضرور رہی ہے، لیکن علم بھی اسے اپنا محور بنا کر جو کچھ کہتا ہے کہے اور عمل بھی اس کو مرکز بنا کر دنیا میں نمایاں ہو، یہ روایت دوسری تیسری صدی کے بعد کم ہونا شروع ہوئی پھر آہستہ آہستہ ختم ہوتی چلی گئی اور اب تو ایک بڑے عرصے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بالکل اجنبی ہو چکی ہے۔

زوال کا دوسرا سبب امت کے ذہین عناصر کا طبعی اور سائنسی علوم کے بجائے فلسفے اور تصوف سے اشتغال ہے۔ فلسفہ اور تصوف، دونوں کا موضوع اصلاً مابعد الطبیعات اور اخلاقیات کے مباحث ہیں۔ مسلمانوں کو ان علوم میں سے کسی کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انھیں وحی الٰہی کی رہنمائی حاصل تھی، ان کے پاس یہ موضوعات حل شدہ موجود تھے۔ یہ ان کا اثاثہ اور سرمایہ تھا۔ اس کی بنا پر وہ فلسفے کو فلسفہ بتا سکتے تھے اور تصوف کو حقائق آشنا کر سکتے تھے، لیکن اس کے بجائے ان کی ذہانتوں نے انھی علوم کو اپنی تحقیقات کا مرکز اور محور بنایا اور طبعی اور سائنسی علوم سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔

امت کے زوال کے ان دونوں اسباب کا جب تک بہت اچھی طرح جائزہ لے کر انھیں دور کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی، ہم خواب دیکھ سکتے ہیں، ہنگامہ اور احتجاج کر سکتے ہیں اور اپنی جانیں بھی دے سکتے ہیں، لیکن امت کے احیا کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں کر سکتے۔

دور جدید میں ہندوستان میں ایک غیر معمولی واقعہ ہوا۔ اعظم گڑھ کے قریب ایک چھوٹے سے قصبے میں ایک ایسی شخصیت پیدا ہوئی جس نے صدیوں کے بعد وہ سارے عوامل مہیا کر دیے کہ جن کی بنا پر قرآن کو علم و عمل کا محور بنایا جا سکتا ہے۔ میں یہ عرض کیا کرتا ہوں کہ جس طرح برصغیر میں ہماری قدیم علمی روایت کے آخری عالم مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودیؒ تھے، اسی طرح اسلام کے دور جدید کے پہلے عالم کی حیثیت امام حمید الدین فراہی کو حاصل ہے۔ ان کا اصل امتیاز ہی یہ ہے کہ انھوں نے تمام علوم کو یہ راہ دکھائی کہ قرآن ان کا کیسے مرکز اور محور بنتا ہے۔ وہ کس طرح علم و فن پر حکومت کرتا ہے، فکر و نظر پر حکومت کرتا ہے، رائے اور اجتہاد پر حکومت کرتا ہے، روایت پر حکومت کرتا ہے، حدیث پر حکومت کرتا ہے، فقہ پر حکومت کرتا ہے، علم کلام پر حکومت کرتا ہے، فلسفہ اور تصوف پر حکومت کرتا ہے اور مسلمانوں کے تمام نظریاتی مباحث پر حکومت کرتا ہے۔ جو لوگ ابھی اس فکر سے پوری طرح واقف نہیں ہوئے، وہ نہیں جانتے کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے معاملے میں یہ کتنا غیر معمولی انقلاب ہے، جو ایک شخص کے کام سے برپا ہو گیا۔ امام فراہیؒ کا زیادہ تر کام چونکہ عربی زبان میں تھا اور ایسے اسلوب میں تھا جسے اہل علم ہی صحیح معنوں میں

سمجھ سکتے تھے اس لیے زیادہ لوگ ان سے واقف نہیں ہوئے' لیکن ہندوستان اور ہندوستان سے باہر کے اہل علم ان کی زندگی میں بھی اور ان کے بعد بھی اس اعتراف پر مجبور ہوئے کہ یہ ایک بالکل ہی منفرد نوعیت کی شخصیت تھی جس نے علم کے تمام منابع' تمام مصادر اور تمام مآخذ کو ایک مرتبہ پھر اس کی اصل پر استوار کر دیا۔

خالد مسعود صاحب اسی علمی روایت کے عالم تھے ان کی انفرادیت یہ ہے کہ وہ علما میں سے ایک عالم نہیں تھے' بلکہ اس پیغام اور اس دعوت کے نقیب تھے کہ قرآن کو ہمارے علم کا بھی محور بننا چاہیے اور ہمارے عمل کا بھی محور بننا چاہیے۔ یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ امام فراہی اور ان کے بعد ان کے جلیل القدر شاگرد امین احسن اصلاحی نے اس روایت کو جہاں پہنچایا' خالد مسعود صاحب نے اس کو اپنی روح میں اتارا اور اسے اس کے اعماق میں اتر کر سمجھا۔ امام فراہیؒ نے علم و عمل کے میدان میں یہ عظیم روایت قائم کی کہ سید سلیمان ندوی نے بیان کیا ہے کہ ہم جب امام حمید الدین فراہی کی صحبت میں بیٹھتے ہیں تو یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوتا ہے کہ ان کا علم زیادہ ہے یا ان کا تقویٰ زیادہ ہے۔ خالد مسعود صاحب کے بارے میں بھی یہ بات بڑے اطمینان کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ جب کوئی شخص ان سے متعارف ہوتا تو وہ فی الواقع یہ سوچتا کہ ان کا علم زیادہ ہے یا ان کا تقویٰ زیادہ ہے۔ علم و فکر اور سیرت و کردار کے لحاظ سے انھوں نے اس روایت کو اپنے منتہا تک پہنچایا اور دین کے طلبا کو اپنے وجود سے یہ درس دیا کہ علم اور عمل کو' علم اور ایمان کو' علم اور اخلاق کو اور علم اور تقویٰ کو الگ الگ نہیں کیا جا سکتا۔ علم کے ساتھ یہ چیزیں جمع ہوں گی تو اس کی کوئی وقعت ہوگی' ان کے بغیر وہ جو کچھ بھی ترکتازیاں دکھائے' اس کی کوئی حیثیت دنیا میں قائم نہ ہو سکے گی۔

میں نے کم و بیش ربع صدی تک انھیں اپنے جلیل القدر استاذ کے ساتھ دیکھا ہے۔ ہمارے بزرگ ڈاکٹر انوار احمد بگوی صاحب نے غلط نہیں کہا کہ وہ اپنے شیخ میں فنا ہو چکے تھے۔ فنا ہونے کی نوعیت اگرچہ وہ نہیں تھی جو ہمارے ہاں تقلید کی دنیا میں سمجھی جاتی ہے' لیکن اپنے استاذ کے علم کو حاصل کرنا ہے' اس کو سمیٹنا ہے' اس کے قلم اور اس کی زبان سے جو کچھ صادر ہوتا ہے' اسے اکٹھا کرنا ہے' اس کی تہذیب کرنی ہے اور اسے لوگوں تک پہنچانا ہے۔ اس خدمت کو انھوں نے اپنا شعار بنا رکھا تھا۔ اس میں شبہ نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص استاذ گرامی کے ذاتی اور علمی' دونوں طرح کے معاملات میں سب سے زیادہ قابل اعتماد تھا تو وہ خالد مسعود ہی تھے۔ یہ صاف محسوس ہوتا تھا کہ استاذ امام کی میراث کی ایک ایک چیز سے انھیں ایسی ہی دلچسپی تھی جیسی کہ دنیا کے کسی غیر معمولی طلب گار کو دنیا کی کسی چیز سے ہو سکتی ہے۔ ان کی طلب' ان کے شوق' ان کی ہمت اور ان کی ساری کد و کاوش کا محور و مرکز یہی تھا کہ جو کچھ کہا جا رہا ہے' اس کو سمجھ لیا جائے اور جب سمجھ لیا جائے تو اس کو دنیا تک پہنچانے کی کوشش کی جائے۔

میرا جب اول اول ان سے تعارف ہوا تو میں نے دیکھا کہ وہ "میثاق" کے صفحات میں افادات فراہی کے عنوان سے مولانا فراہی کے مختلف مقالات کا ترجمہ کر رہے تھے۔ اس وقت بھی تنہا وہی تھے جن کا تعارف ہی یہ ہوتا

تھا کہ ان کے رشید مولانا امین احسن اصلاحی۔ انھوں نے جب اپنی زندگی کی وہ آخری کتاب شائع کی جوان کی زندگی کے کارناموں میں بہترین کارنامہ ہے تو بڑے اصرار سے اپنے نام کے ساتھ تلمیذ مولانا امین احسن اصلاحی کے الفاظ درج کرائے۔ گویا ان کے نزدیک ان کا اصلی شرف اور اصلی امتیاز یہی تھا۔ وہ اسی کو اپنے لیے سرمایہ فخر ومباہات سمجھتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ ان کا اگر کوئی تعارف ہے تو یہی ہے۔

خالد مسعود صاحب کوئی بلند آہنگ ادیب وخطیب تو نہیں تھے لیکن اپنی بات جس سلیقے، جس سلاست اور جس وضوح کے ساتھ کہتے تھے اور جس کامل ابلاغ کے ساتھ اسے اپنے قاری تک پہنچا دیتے تھے اس کے بعد یہ بات بجا طور پر کہی جاسکتی ہے کہ وہ عصری اسلوب کے بہت اچھے انشا پرداز تھے۔ اس اسلوب میں انھوں نے مولانا امین احسن اصلاحی کے افکار کو بھی منتقل کیا اور اپنی تحقیقات بھی پیش کیں۔ ان کا عمومی تعارف یہی رہا ہے کہ وہ مولانا امین احسن اصلاحی کے علمی کام کے امین اور اس کے علم بردار ہیں' لیکن جو روایت اس مدرسے نے قائم کی ہے' میں جانتا ہوں کہ انھوں نے اس کے لحاظ سے اپنے استاذ کی زندگی میں بھی اور اس کے بعد بھی ان کی بعض تحقیقات سے نہایت شائستہ اور مہذب اسلوب میں اختلاف کیا ہے۔ ایسا نہیں کیا کہ اگر ایک حقیقت واضح ہو گئی ہے تو اسے محض اس لیے ایک طرف رکھ دیں کہ یہ ان کے جلیل القدر استاذ کے نقطۂ نظر یا رائے کے خلاف ہے بلکہ اس کا برملا اظہار کر دیا اور یہ بتا دیا کہ ان کی رائے اس معاملے میں یہ ہے۔

دنیا میں ایک باصلاحیت انسان جن چیزوں کے خواب دیکھ سکتا ہے' وہ ان کے قریب سے بھی نہیں گزرے۔ ایک شان استغنا کے ساتھ انھوں نے زندگی بسر کی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی زندگی میں اس بات کی عملی تصویر تھی کہ:

کس لیے چاہوں یہ دنیا کی ستائش کیا ہے
منتظر ہوں تو فقط ان کی پذیرائی کا

ان کے طرز عمل میں' ان کی گفتگو میں' ان کی بات چیت میں یہ چیز نمایاں ہوتی تھی۔ اس پراپیگنڈے کے دور میں جب معلوم نہیں لوگ دنیا تک اپنے آپ کو پہنچانے کے لئے کیا کچھ کرتے ہیں' ایک شخص اس درجے میں اس دنیا سے بے نیاز ہو کر اپنی زندگی بسر کر سکتا ہے اور اول وآخر اس کی تمنا یہی ہوتی ہے کہ اگر اس کو پذیرائی حاصل ہو تو صرف اس کے مالک کی نگاہ میں ہونی چاہیے۔

خالد مسعود صاحب کا آخری اور عظیم کارنامہ ان کی تالیف ''حیات رسول امی'' ہے۔ مولانا شبلیؒ نے بھی اپنی آخری کتاب سیرت النبی ہی پر لکھی تھی اور یہ کہا تھا کہ:

عجم کی مدح کی' عباسیوں کی داستاں لکھی
مجھے چندے مقیم آستان غیر ہونا تھا

مگر اب لکھ رہا ہوں سیرت پیغمبر خاتم
خدا کا شکر ہے یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا

خالد مسعود صاحب کو یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ انھوں نے نہ عجم کی مدح کی نہ عباسیوں کی داستاں لکھی۔ قرآن اور قرآن کی خدمت سے ابتدا کی اور خاتمہ بالخیر حیات رسول امیؐ پر ہوا۔ مدرسۂ فراہی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ کے قانون رسالت کو جس انداز سے دریافت کیا ہے' اس سے بے شمار لاینحل عقدے کھلے ہیں' بہت سی غلطیوں کی اصلاح ہوئی ہے' بہت سی غلط تعبیرات جو عالم اسلام میں پھیل گئی تھیں' ان کی تردید کے مواقع فراہم ہوئے ہیں۔ یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ جس طرح شبلی نعمانی کی سیرت النبیؐ پر سیرت کی قدیم روایت ختم ہوئی ہے' اسی طرح حیات رسول امیؐ سے سیرت کی نئی روایت شروع ہوئی ہے۔ اس میں رسول اللہ کی شخصیت کو ایک نئے زاویے سے سامنے رکھ کر آپ کی پوری سیرت کو بیان کیا گیا ہے۔ اگر آپ اس کا مطالعہ کریں تو آپ یہ دیکھیں گے کہ کئی مقامات پر مانی ہوئی چیزوں پر نہایت اعلیٰ علمی تنقید کر کے غلطی واضح کی ہے۔ ایسے تصورات کی اصلاح کی ہے جو سیرت کے بارے میں بہت عام ہو چکے ہیں۔ اس کا سلسلہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگوں کے واقعات بیان کرنے سے شروع کیا تھا۔ جو لوگ شبلی کی سیرت النبیؐ سے واقف ہیں' انھیں معلوم ہے کہ انھوں نے سب سے پہلے معرکۂ بدر کے بارے میں روایات کے پیدا کردہ طلسم کی تردید کے حوالے سے تحریری کام کا آغاز کیا۔ خالد مسعود صاحب نے بھی سیرت نگاری کا سلسلہ غزوات سے شروع کیا۔ وہ اس ضمن میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کی علمی تردید کرنا چاہتے تھے۔ اسی دوران میں انھوں نے سیرت کی ایک پوری کتاب مرتب کرنے کا پروگرام بنایا۔ اس زمانے میں وہ بہت ناتواں ہو چکے تھے' اس لیے یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ کام کا حق آخری درجے میں ادا ہو گیا' لیکن ابتدا کرنے والے کا شرف معمولی نہیں ہوتا۔ انھوں نے سیرت نگاری کو ایک نیا رخ دے دیا ہے۔ اب امید کی جا سکتی ہے کہ آیندہ آنے والے لوگ اس موضوع پر مزید کام کریں گے اور جس عمارت کی نیو انھوں نے اٹھائی ہے' اس کو اس کے منتہائے کمال تک پہنچانے کی کوشش کریں گے۔

استاذ گرامی کے ساتھ ان کی محبت' ان کا تعلق خاطر ان کی تالیفات کے ورق ورق سے عیاں ہے۔ جس طرح انھوں نے ان کے خطبات' ان کی تقریروں اور ان کی تحریروں کو مرتب کیا ہے' یہ انھی کا کام تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے ہوتے ہوئے ہم یہ خیال کرتے تھے کہ یہ کام بس انھی کا ہے اور انھی کو کرنا چاہیے۔ اس کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی تھی کہ ہم جیسے طالب علم بھی اس کے لیے کوئی مشقت اٹھائیں۔ اب وہ چلے گئے ہیں تو یہ احساس ہوتا ہے کہ اگر کچھ کام باقی رہ گیا ہے تو اس کے لئے ہم کس درجہ پیچھے کے لوگ ہیں اور ہماری صفوں کا وہ کیسا

یہ کارواں تھا جو رواں ہو گیا۔

کہا جاتا ہے کہ جب آدمی دنیا سے رخصت ہوتا ہے اور اپنے پروردگار کے حضور میں پہنچتا ہے تو اگر اس نے اپنی زندگی متانت کے ساتھ بسر کی ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کا رزق، اس کی عنایت اور اس کے افضال حاصل ہوتے ہیں۔ ہم خالد مسعود صاحب کے بارے میں یہی تصور رکھتے ہیں۔ اگر ان افضال و عنایات میں استاذ امام امین احسن اصلاحی کے ساتھ ان کی ملاقات بھی شامل ہو تو وہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر یقیناً یہ کہہ سکتے ہیں کہ:

میں نے کلکِ وفا سے لکھا ہے
تیرے ہر رہ گزر پر اپنا نام

(بشکریہ ماہنامہ اشراق نومبر ۲۰۰۳ء)

اصلاحی برادری کے ایک اہم رکن

خالد مسعود مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ سنجیدگی، متانت، ثابت قدمی، عزم و حوصلہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اخلاص و للّٰہیت کا کیا کہنا، شرافت رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے تھی۔ ایک ہی ملاقات جو چند دنوں تک ممتد رہی اس نے ایسا نقش چھوڑا جیسے کہ اصلاحی خانوادہ و برادری کے ایک اہم رکن تھے۔ بار بار ہر موڑ پر یاد آتے رہے۔ استاد محترم سے قلبی لگاؤ، فکرِ فراہی کے مقاصد کو آگے بڑھانے اور اپنے تمام جاننے والوں کے درمیان اس کا چرچا اور تعلق پیدا کرنے کی ایسی لگن جو کم دیکھنے کو ملی اور سچ تو یہ ہے مولانا محترم و مرحوم سے تعلق کی بنیاد پر جو قرآن فہمی کا ذوق پیدا ہوا اس کو سینے سے لگائے رکھا اور مشن کو اوڑھنا بچھونا بنا رکھا تھا۔ یہ فکرِ فراہی کی خدا کرے آخری کڑی نہ ثابت ہوں۔ آپ کی وفات موت العالِم موت العالَم کا مصداق ہے۔ خاکسار سے کچھ ایسا تعلق ہو گیا تھا کہ جسے بھلایا نہیں جا سکتا۔ آخری تصنیف "حیاتِ رسولِ امّی" آئی، اسے پڑھنے کی نوبت نہ آئی کہ مصنف نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور زمرۂ صالحین میں شمار کرے۔ آمین۔

(احتشام الدین اصلاحی، صدر انجمن طلبائے قدیم مدرسۃ الاصلاح)

ایک پُرعزم محقق

ڈاکٹر منصور الحمید

یہ شاید ۱۹۷۵ء کی سردیوں کی بات ہے، میں اُن دنوں میڈیکل کے آخری سال میں پڑھتا تھا اور فارغ اوقات میں جاوید احمد غامدی صاحب سے بھی پڑھتا تھا کہ سنا، مولانا اصلاحی لاہور میں درسِ قرآن شروع کرنے والے ہیں۔ تب ہم نے یہ پروگرام بنایا کہ مولانا کے اس درس میں باقاعدگی سے شریک ہوا جائے۔ لاہور کی بستی سمن آباد کے ایک گھر میں مولانا نے درسِ قرآن شروع کیا۔ وہیں میں نے پہلی بار خالد مسعود صاحب کو دیکھا۔ وہ بالعموم مولانا کے قریب، ان کے دائیں جانب بیٹھتے تھے۔ مولانا کا طریقہ یہ تھا کہ بھی درس کے دوران رک کر، آیت سے متعلق تفسیری مشکل کو، ایک سوال کی صورت میں سامعین کے سامنے رکھ دیتے تھے اور سامعین کے جوابات سننے کے بعد پھر اپنی رائے بیان فرماتے، یوں سلسلہ آگے بڑھتا۔ درس کے آخر میں لوگ لکھ کر بھی سوالات پوچھ لیتے اور یہ سب سوالات خالد مسعود صاحب سے ہوتے ہوئے مولانا تک پہنچتے۔ اسی سے پہلی بار مجھے یہ اندازہ ہوا کہ خالد مسعود صاحب مولانا کے نہایت معتمد ساتھی ہیں۔

جب مولانا اصلاحی لاہور کا قیام ترک کر کے واپس اپنے گاؤں رحمٰن آباد چلے گئے اور مولانا سے ملنے بھی اُن کے گاؤں جانا ہوتا تو دورانِ گفتگو خالد مسعود صاحب کا تذکرہ بھی آ جاتا۔ وہ اس طرح سے کہ مولانا جو تفسیر لکھ رہے تھے تو بعض اوقات وہ مشکل مباحث کو خالد مسعود صاحب کو بھی دکھا دیتے تاکہ وہ پڑھ کر بتائیں کہ ادائے مطلب میں کہیں کوئی جھول تو نہیں رہ گیا۔ مولانا ذکر کرتے کہ خالد مسعود صاحب آئے تھے، میں نے یہ بحث اُن کو دکھائی تھی اور انہوں نے کہا کہ آپ نے بات کو نہایت واضح انداز سے لکھ دیا ہے۔ گاؤں میں مولانا کے پاس گنتی کی چند کتابیں تھیں جن کو وہ امہات کتب کہا کرتے تھے۔ ایسے میں کبھی مزید حوالوں کی ضرورت پڑ جاتی تو خالد مسعود صاحب کو لکھ بھیجتے اور پھر خالد مسعود صاحب کے بھیجے ہوئے حوالوں سے وہ تفسیر لکھنے میں مدد لیتے۔

مولانا اصلاحی سے ان ملاقاتوں میں حسن اتفاق سے جاوید صاحب کی ہمراہی بھی نصیب ہوئی۔ جاوید صاحب ان دنوں جماعت اسلامی کے رکن تھے اور انہوں نے ایک ادارہ قائم کر رکھا تھا جس کے لیے ایک بڑی بلڈنگ جماعت اسلامی نے دے رکھی تھی۔ جماعت کی طرف سے کچھ مالی معاونت بھی ہوتی تھی اور مولانا مودودی صاحب کی عظمت، محبت اور قربت اس پر مستزاد تھی۔ مولانا اصلاحی سے مسلسل ملاقاتوں کا اثر یہ ہوا کہ جاوید صاحب رفتہ رفتہ مولانا اصلاحی کے فکر و فلسفہ کے گرویدہ ہوتے چلے گئے۔ جب یہ جادو سر چڑھ کر بولنے لگا اور جاوید صاحب لے درس میں تفہیم القرآن کی بجائے تدبر قرآن کے حوالے آنے لگے تو جماعت اسلامی کے کان کھڑے ہوئے۔ پہلے تو مالی معاونت ختم ہوئی پھر وہ بلڈنگ واپس لے لی گئی جو جماعت نے دے رکھی تھی اور آخر میں ایک کمیٹی بنا کر جاوید صاحب کو جماعت ہی سے خارج کر دیا گیا۔ اس صورت حال نے جاوید صاحب کو، جو پہلے ہی سے مولانا اصلاحی کے گرویدہ ہو چکے تھے، اُن کے اور قریب کر دیا۔ چنانچہ چند ہی سال بعد جب مولانا اصلاحی تفسیر مکمل کر کے لاہور منتقل ہوئے تو اُن کے شاگردوں کا ایک نیا حلقہ، جاوید صاحب اور اُن کے ہمراہیوں کی صورت میں، انہیں خوش آمدید کہنے اور دل و جان نچھاور کرنے، لاہور میں موجود تھا۔ مولانا کے شاگردوں کا پرانا حلقہ، خالد مسعود صاحب کی سربراہی میں پہلے سے موجود تھا۔ جب یہ نئے لوگ بھی شامل ہوئے تو مولانا سے تقاضا ہونے لگا کہ ایک علمی ادارے کی بنیاد رکھی جائے جس کے تحت علوم اسلامیہ پر تحقیقی کام ہو اور اس تحقیقی کام کی اشاعت کا مناسب انتظام بھی ہو۔ مولانا اُن دنوں حدیث پر کام کرنے کے لیے اپنی ہمتوں کو مجتمع کر رہے تھے۔ احباب کے اس تقاضے نے اُن کو مزید حوصلہ ملا اور انہوں نے اپنے پرانے اور نئے شاگردوں کو ملا کر ایک نئے ادارے کی بنیاد رکھی جس کا نام ادارہ تدبر قرآن و حدیث رکھا گیا، خالد مسعود صاحب اس کے سربراہ منتخب ہوئے اور مجلس عاملہ میں جاوید صاحب بھی شامل ہوئے۔ اس ادارے کے تحت جو کام تجویز کیے گئے ان میں گو قرآن و حدیث دونوں ہی پر اعلیٰ تحقیقی کام منصوبہ تھا مگر سر فہرست حدیث پر ایسا تحقیقی کام تھا جو قرآن مجید کے ساتھ اس کی ہم آہنگی کو واضح کرے۔ اس کے ساتھ ہی ایک ایسے علمی جریدے کی اشاعت کا اہتمام کرنا تھا جس میں ادارے کے علمی کاموں کو شائع کیا جا سکے۔ اب اسے اتفاق کہیے یا کچھ اور کہ جاوید صاحب اور اُن کے احباب، خالد مسعود صاحب کے ساتھ چل نہ سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ادارے کے تحت تجویز کیے گیے تمام کاموں کا بوجھ تنہا خالد مسعود صاحب اور ان کے چند پرانے ہمراہیوں پر آ پڑا۔ اس صورت حال سے وہ شروع میں کچھ آزردہ بھی ہوئے اور ایک آدھ بار انہوں نے مجھ سے بھی شکایتاً کہا کہ جاوید صاحب کی طرف سے قطعاً کوئی تعاون نہیں ہے مگر بعد میں وہ اسے اُن کی مزاج و طبیعت کا اقتضاء سمجھ کر خاموش ہو رہے اور اپنی ساری توانائی ادارے کے تحت تجویز کیے گیے کاموں کو روبہ عمل لانے میں لگا دیں۔ بعد میں جاوید صاحب نے اپنا ایک الگ ادارہ بنا لیا۔ چونکہ فکر و فلسفہ ایک ہی تھا اس لیے وہ رنجش جو شروع میں پیدا ہوئی تھی، بعد

میں یکسر جاتی رہی۔ ادارے کے تحت قرآن وحدیث پر دروس کا سلسلہ شروع ہوا۔ مدرس تو مولانا اصلاحیؒ تھے مگر انتظام وانصرام سارا خالد مسعود صاحب اور ان کے رفقا کرتے تھے۔ اسی کے تحت مولانا اصلاحی نے اصول حدیث پر اپنے وہ معرکتہ الآرا لیکچرز دیے جو بعد میں اصول مبادی تدبر حدیث کے نام سے شائع ہوئے۔ اسی کے تحت موطا امام مالک اور صحیح بخاری کے دروس ہوئے۔ ان سب کو ٹیپ کرنا اور پھر ٹیپ سے کاغذ پر منتقل کر کے رسالے میں شائع کرنا اور پھر ان کو کتابی صورت میں مارکیٹ میں لانے کے سب کے سب کام خالد مسعود صاحب اور اُن کے مٹھی بھر ہمراہیوں نے انجام دیے۔ لوگ ادارے بناتے ہیں تو بڑی بڑی عمارتیں کرائے پر لیتے ہیں، گاڑی، ڈرائیور، چوکیدار اور نجانے کتنے اور ملازم رکھتے ہیں اور کام کیا ہوتا ہے؟ جو کچھ پہلے سے لکھا گیا ہوتا ہے اسی کو نئے سرے سے ترتیب دے کر دو چار سال بعد ایک آدھ کتاب شائع کر دیتے ہیں اور اگلے دو برس اسی کی اشتہار بازی میں گزار دیتے ہیں۔ میں یہ بات طنز واستخفاف کی خاطر نہیں بلکہ اس امر واقعی کے اظہار کی خاطر کہ اصل اہمیت شخص کی ہے عمارت اور پیسے کی نہیں، لکھ رہا ہوں کہ ایک زمانے میں کسی نے خالد مسعود صاحب اور اُن کے چند دوستوں کو دیکھ کر یہ پھبتی کسی تھی کہ اس کی ویرانی کو دیکھ کر دشت کو دیکھ کر گھر یاد آیا' کا سماں محسوس ہوتا ہے۔ ادارہ تدبر قرآن وحدیث کے پاس نہ کوئی دفتر تھا نہ کوئی تنخواہ دار ملازم تھے۔ مگر اس کے باوجود اس کے تحت جو کام ہوئے وہ کسی بڑے وسائل رکھنے والے ادارے سے بھی کہیں زیادہ ہیں۔ صرف ایک نظر ادارے کی طرف سے شائع ہونے والی کتب ہی پر ڈال لی جائے تو حیرت ہوتی ہے کہ کس قدر کم وسائل کے باوجود کس قدر اعلیٰ پیمانے کا علمی وتحقیقی کام کیا گیا ہے۔ ان سب کی تہہ میں خالد مسعود صاحب کی شخصیت کارفرما تھی۔ وہ صاحب بصیرت ومحقق سے زیادہ ایک مضبوط عزم وارادہ رکھنے والے انسان تھے۔ انہیں اس بات کا احساس تھا کہ وہ اپنے اسلاف کی شاندار روایات کے امین ہیں اور انہیں اپنی ذمہ داریوں کو احسن طریقے سے ادا کرنا ہے چنانچہ جس محاذ پر اُن کو کھڑا کیا گیا تھا وہ اس محاذ پر ایک پر عزم مجاہد کی طرح آخری دم تک نہایت پامردی وثابت قدمی سے ڈٹے رہے۔

جس زمانے میں مولانا اصلاحی رسالہ میثاق نکالتے تھے تو خالد مسعود صاحب اس زمانے میں بھی میثاق کے ادارتی کاموں میں مولانا کے معاون ہوتے تھے مگر جب تدبر کی سہ ماہی اشاعت شروع ہوئی تو اب گویا سبھی کام اُن کے سپرد ہو گئے۔ تدبر کی ترتیب وتسوید، پروف ریڈنگ اور اشاعت تک کے سب مراحل اُن کی نگرانی میں طے پانے لگے۔ مولانا اصلاحی کی تحریریں ایک عرصے کے بعد پھر منظر عام پر آنے لگیں اور خالد مسعود صاحب کے تحقیقی مضامین رسالے کی زینت بننے لگے تو ہندوستان وپاکستان کے علمی حلقوں میں اس کی اہمیت محسوس کی جانے لگی۔ وہ لوگ جو دین کے فلسفہ وحکمت کے متلاشی تھے اور عقل وفکر سے عاری خشک مولویانہ تحریروں سے بیزار تھے، انہیں تدبر کی ان تحریروں نے یکدم اپنی طرف کھینچ لیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے ایک پرانے مداح ڈاکٹر شیر بہادر پنی نے لکھا: "تدبر

قل ہی ملا، شوق وصل کی تندی کہ ملتے ہی پڑھ ڈالا۔ پھر پڑھا، قند مکرر ہے۔ دوسرا نمبر آنے تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ کاش کہ سہ ماہی کی بجائے یک ماہی ہوتا۔ اس کی شیرینی و لطافت سے جی نہیں بھرتا۔ اس کی تاثیر میں کلام نہیں لیکن قلت کا شکوہ ضرور ہے...... گو اس پچاسی سالہ ابوالکلامی پرآج تک کوئی دوسرا رنگ نہ چڑھ سکا لیکن تدبر قرآن اور تدبر نے اپنا اثر دکھا کر ہی چھوڑا۔'' واقعہ یہ ہے کہ ڈاکٹر شیر بہادر پنی صاحب کا یہ تاثر صرف انہی تک محدود نہیں بلکہ یہ ان حضرات کا ایک عمومی تاثر تھا جن کی عمریں مذہبی رسائل کو دیکھنے پڑھنے میں صرف ہوئیں۔ چنانچہ دعوت دین کے ایک پرانے خدمت گذار، شیخ سلطان احمد صاحب نے، جو ایک زمانے میں جماعت اسلامی کے قائدین میں شامل اور قبل پاکستان جماعت اسلامی کے قائم مقام امیر تک رہے، بجا طور پر لکھا: ''میں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ پورے ہندوستان میں ایسا وقیع، حسین اور اعلیٰ معیار کا پرچہ نہ کبھی پہلے شائع ہوا تھا اور نہ آج موجود ہے۔''

ادارہ تدبر قرآن و حدیث کے پیش نظر حدیث پر اعلیٰ تحقیقی کام تھا۔ خالد مسعود صاحب نے تدبر کی اشاعت اول سے اس اہم اور نازک کام کا آغاز کیا۔ بعد میں جب مولانا اصلاحیؒ کے حدیث پر لیکچرز اور موطا کی شرح شائع ہونی شروع ہوئی تو انہوں نے اپنے لیے سیرت کا میدان منتخب کر لیا' مگر اس زمانے میں اُن کی حدیث پر جو تشریحات شائع ہوئیں وہ نہایت قابل قدر ہیں۔ ان کا کسی قدر تذکرہ اس لیے ضروری ہے تاکہ تدبر حدیث کے اس اصل منہاج کا ذکر ہو جائے جس کے اصول تو مولانا اصلاحیؒ اور مولانا فراہیؒ کے بیان کردہ تھے مگر ان اصولوں کی روشنی میں حدیث کی تشریح کی کوشش پہلے پہل انہوں نے شروع کی۔

خالد مسعود صاحب نے اپنے مقالات حدیث میں خاص طور سے اُن موضوعات کا انتخاب کیا جن کے بارے میں بہت سی الجھنیں پائی جاتی ہیں۔ اس میں انہوں نے اصل بنیاد صحیح مسلم کی روایات کو بنایا ہے۔ اُن کا طریقہ یہ تھا کہ روایت نقل کرنے کے بعد وہ اس کا ترجمہ اور مشکل عربی الفاظ کے معنی بیان کرتے پھر اس روایت کے تمام دیگر طرق بیان کرتے۔ یہیں سے اُن کے متن پر تجزیے کا عمل شروع ہو جاتا۔ اس میں زیادہ زور وہ دو چیزوں پر دیتے۔ اول یہ کہ یہ واضح کیا جائے کہ روایت کے تمام طریقوں کو جمع کرنے کے بعد معاملے کی اصل صورت کیا بنتی ہے اور دوسرے یہ کہ آنحضور ﷺ کے اس قول کے اصل مخاطب کون لوگ تھے۔ اس کے بعد پھر وہ قرآن مجید سے اس کی ہم آہنگی بیان کرتے اور یہ دکھاتے کہ قرآن مجید کی کن آیات میں یہی بات بیان ہوئی ہے۔ آخر میں روایت سے بعض لوگ جو غلط استدلال کرتے ہیں یا اس میں جو اشکالات ہیں اُن کا ذکر کر کے اُن کا جواب دیتے۔ مثال کے طور پر ایک روایت جو حدیث قتال کے نام سے معروف ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ ''اقاتل الناس حتی یشھدوا ان لا الہ الا اللہ و یومنوا بی و بما جئت بہ...... میں لوگوں سے جنگ کرتا رہوں گا یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور ایمان لائیں مجھ پر اور اس پر جو میں لے

کر آیا ہوں۔" خالد صاحب روایت کے تمام طریقوں کو جمع کرنے کے بعد صورتِ معاملہ یہ بتاتے ہیں کہ یہ حکم اُس وقت دیا گیا تھا جب قرآن نے سورہ توبہ میں مشرکین بنی اسماعیل کو الٹی میٹم دے دیا اور کہا کہ یا تو ایمان لائیں ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔ اسی کا اعلان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ھ میں حج کے موقع پر کرایا۔ گویا یہ حکم عام نہیں بلکہ خاص مشرکین بنی اسماعیل کے لئے تھا کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے معاہدات کیے اور اہل کتاب سے جزیہ بھی وصول کیا۔

محدثین کا عام طریقہ یہ ہے کہ وہ روایت کی صحت کے لیے سند پر بہت زور دیتے ہیں اور متن کا اول تو ذکر ہی نہیں اور اگر کہیں ہے بھی تو بس واجبی سا ہے۔ اپنے ایک شاہکار مضمون میں، جو تدبر میں "تحقیق حدیث میں صحابہ کرام کا طرزِ عمل" کے عنوان سے شائع ہوا، خالد مسعود صاحب نے یہ ثابت کیا کہ صحابہ کے زمانے میں قولِ رسول ﷺ کو پرکھنے کا واحد ذریعہ متن تھا۔ کتنی ہی روایات ایسی ہیں جو حضرت عائشہؓ کے سامنے پیش کی گئیں تو انہوں نے فرمایا کہ اصل معاملہ یوں نہیں یوں پیش آیا تھا یا یہ کہ رسول اللہ ﷺ سے منسوب کردہ یہ بات قرآن کے خلاف ہے یا یہ کہ حضرت عمرؓ نے کہا کہ "ہم ایک عورت کے کہنے پر کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کو نہیں چھوڑ سکتے، ہم نہیں جانتے کہ اس نے بات کو یاد رکھا یا بھلا دیا۔" گویا روایت کے متن کا تجزیہ اکابر صحابہ کا طرزِ عمل تھا۔ حدیث رسولؐ کی صحت کو جانچنے کے لیے صحابہ، قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معروف سنت کو سامنے رکھتے تھے۔ خالد مسعود صاحب نے درایت کے اُن اصولوں کو ایک بار پھر اجاگر کیا جن پر صحابہ کا عمل تھا مگر آج جن کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ حدیث کے موضوع پر ان کے قلم سے نکلے ہوئے یہ بیش قیمت مقالات اس لائق ہیں کہ انہیں الگ سے کتابی صورت میں شائع کیا جائے۔

حدیث پر تحقیق کا یہی ذوق اُن کو سیرتِ رسولؐ کی طرف لے گیا۔ جب اُن کے غزوہ بدر اور غزوہ اُحد پر مضامین شائع ہوئے تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس سلسلے کے تمام مضامین مکمل کرنے کے بعد ان کو غزوات النبی ﷺ کے عنوان سے کتابی صورت میں شائع کروں۔ اس پر میں نے کہا کہ جس انداز سے آپ تاریخ کو قرآن کی روشنی میں پرکھتے ہیں اور تمام روایات کو سامنے رکھ کر معاملے کی صحیح صورت بیان کرتے ہیں، اس انداز سے پہلے سیرت پر کام نہیں ہوا اس لیے آپ اس سلسلہ مضامین کو صرف غزوات تک محدود نہ رکھیے بلکہ پوری سیرت رسول تک وسیع کیجئے۔ کئی اور احباب نے بھی اُن کو اسی قسم کا مشورہ دیا اور اسی سے حوصلہ پا کر انہوں نے سیرت پر وہ کتاب لکھی جو شبلی کی سیرت النبی ﷺ کے بعد شاید دوسری اہم کتاب ہے۔

سیرت میں خالد مسعود صاحب کا محققانہ، تجزیاتی اور محاکمانہ انداز اپنے عروج پر ہے۔ اُن کے غور و فکر کے اصول وہی ہیں جو فطری ہیں اور جو ہونے چاہییں مگر ہمارے ہاں کے مفکرین اسلام کو وہ بات کہنی ہے جو ان کے اپنے گروہ میں مقبول ہے یا جس کا چلن ہے خواہ وہ کیسی ہی لغو کیوں نہ ہو۔ سیرت سے متعلق کتنی ہی روایات ایسی ہیں جن

کی علامہ شبلی اپنی سیرت میں ثابت کر چکے ہیں مگر ابھی تک وہی بارہ ربیع الاول تاریخ پیدائش بیان کی جاتی ہے اور بحیرہ راہب اور مہر نبوت کے قصے نقل کیے جاتے ہیں۔ خالد مسعود صاحب گروہی عصبیت سے پاک اور تقلیدی الائشوں سے محفوظ تھے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ قبول عام معیار حق نہیں بلکہ دلیل ہی اصل بنیاد ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ سیرت کے مختلف پہلوؤں پر جو تحقیق پہلے سے ہو چکی تھی اس کو دلیل کی بنیاد پر پرکھنے اور اس سے استفادہ کرنے کا موقع ان کو حاصل ہوا۔ مثال کے طور پر حضرت عائشہؓ کی عمر کے بارے میں کچھ محققین یہ لکھ چکے تھے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے کہ نکاح کے وقت وہ چھ سال کی اور رخصتی کے وقت نو سال کی تھیں۔ انہوں نے اپنے سے پہلے محققین کی اس بات کو محض دلیل کی مضبوطی کی وجہ سے قبول کیا اگرچہ سیرت کی کتابوں پر ایوارڈ لینے والے اس کو ابھی تک اس کے ماننے میں متامل ہیں کہ چھ اور نو سال والی روایت ہی کو قبول عام حاصل ہے۔ اسی طرح ان کا ایک راہنما اصول یہ ہے کہ تاریخ و سیرت کی ہر روایت کو قرآن کی کسوٹی پر جانچ کر پرکھا جائے گا۔ اس سلسلے میں مولانا اصلاحی بھی جنگ بدر اور جنگ احد کے ضمن میں اپنی تفسیر میں کسی قدر لکھ چکے تھے لیکن انہوں نے اس اصول کو سیرت کے ہر پہلو پر منطبق کیا۔ چنانچہ فتح مکہ کے بارے میں روایات کی تنقیح ایک بالکل نئی چیز ہے۔

سیرت کی روایات کو قرآن مجید کی کسوٹی پر جانچنے اور پرکھنے کے علاوہ مجرد قرآن پر غور کرنے سے سیرت کے کئی پہلو ان کے سامنے روشن ہوئے جن پر کبھی اس سے پہلے غور نہیں کیا گیا تھا۔ مثال کے طور پر قرآن پر غور کرنے سے ان پر یہ واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر پیغمبر کو بعثت سے پہلے ایک خاص انداز کی تربیت سے گزارا ہے جو بعد میں نبوت کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں بڑا ممد ثابت ہوا۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت یوسفؑ کی مثال تو بہت واضح ہے۔ ہمارے حضور ﷺ کے ہاں یہ سنت الٰہی کیسے پوری ہوئی، یہ بحث انہوں نے 'نبی کی تربیت کا نظام' میں اٹھائی ہے۔ ساری کی ساری بحث سیرت کے ایک بالکل نئے پہلو سے قاری کو روشناس کرواتی ہے۔

خالد مسعود صاحب کا انداز تحریر نہایت سادہ، عام فہم اور دلنشین ہے۔ اُن کی تحریر میں نہ عربی کے مشکل الفاظ ہوتے تھے نہ ہی اردو یا فارسی اشعار کی بھرمار ہوتی تھی۔ اُن کے مضامین کا اصل حسن ان کا باہمی ربط اور استدلال کا ایک ایسا خوبصورت تانا بانا ہے جو قاری کے ذہن کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ دور حاضر کے کئی قلمکار ایسے ہیں جو طنز و تعریض کو اپنے موقف کے حق میں بطور استدلال استعمال کرتے ہیں۔ اس سے بظاہر تو تحریر زوردار محسوس ہوتی ہے مگر ذرا سے تجزیہ کرنے پر بنائے استدلال نہایت بودی نکلتی ہے۔ خالد مسعود صاحب اپنے موقف کے حق میں طنز و تعریض کو نہیں بلکہ نہایت پختہ دلائل کو لے کر آتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے لکھنے سے پہلے برسوں غور کیا گیا ہے۔ وہ اپنی تحریروں میں طویل اقتباسات دینے کی بجائے اس کا خلاصہ مختصر الفاظ میں دے دیتے ہیں جس سے اُن کی تحریر بوجھل نہیں ہوتی۔ ایک محقق کی طرح کتنی ہی باتیں ایسی ہیں جو انہوں نے مختلف لکھی ہیں مگر خاص خوبی ان کی

تحریر کی یہ ہے کہ ان کو پڑھنے سے طبیعت متوحش نہیں ہوتی۔ مذہب اور روایت سے بیزاری نہیں بلکہ تعلق اور مضبوط ہو جاتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ انسان غلط روایت سے کٹ کر صحیح روایت سے جڑ رہا ہے۔ دل سے شک کے کانٹے نکل رہے ہیں اور ایمان پختہ ہو رہا ہے۔

خالد مسعود صاحب کسی دینی مدرسے سے فارغ التحصیل تھے نہ کہیں کے شیخ القرآن یا شیخ الحدیث تھے۔ وہ عام سکول وکالج سے پڑھے ہوئے تھے۔ وہ خالد مسعود سے مولانا خالد مسعود کیسے بنے، یہ سوال شاید اُن کی دلچسپی کا ہو جو کالجوں کے پڑھے لکھے ہیں مگر خدمتِ دین کا شوق رکھتے ہیں۔ خالد صاحب نے جب اس راہ کا عزم کیا تو سب سے پہلے انہوں نے اپنے اندر وہ اہلیت پیدا کی جو خدمت دین کے لیے ضروری ہے۔ انہوں نے عربی زبان میں اعلیٰ درجے کی مہارت حاصل کی اور وہ تمام کتابیں بھی سبقاً سبقاً پڑھیں جن کا جاننا علوم دین میں رسوخ کے لیے ضروری ہے۔ یہ راستہ ذرا مشکل تو ہے مگر اس سے انکار کسی صاحب عقل کو نہ ہوگا کہ یہی فطری بھی ہے اور یہی راستہ اس امت کے علماء نے ہمیشہ اختیار کیا ہے۔ اب اسے بدقسمتی کے سوا اور کیا کہا جائے کہ اس زمانے میں کچھ ایسے داعیانِ دین بھی پیدا ہو گئے ہیں جو اس طرح کی کسی مشکل تربیت سے گزرنے پر تو آمادہ نہیں مگر انہیں راستہ بتانے کا شوق بہت ہے۔ خالد مسعود صاحب 'اقامت دین کے ایسے ہنگاموں' سے الگ رہے۔ انہوں نے پہلے دین کو سیکھا اور جو سیکھا تھا اسے ہزار پہلوؤں سے جانچ کر جب صحیح سمجھ لیا تو صرف اسی کو بتایا اور صرف اسی کو لکھا۔

کئی لوگ ہوتے ہیں جو نوجوانی میں ایسے اعلیٰ مقاصد کے لئے عزم تو کر لیتے ہیں اور پھر اس کے لیے کچھ اہلیت بھی اپنے اندر پیدا کر لیتے ہیں مگر جونہی عملی زندگی کی دشواریوں سے دوچار ہوتے ہیں، سب ارادے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ غم روزگار کی دلفریبی انسان کو سب بھلا دیتی ہے۔ خالد مسعود صاحب کو روزگار اور صحت دونوں اطراف سے سخت آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا۔ آخری برسوں میں جگر کی تکلیف نے تو بہت ہی کمزور کر دیا تھا مگر وہ ان تمام آزمائشوں میں سرخرو ہوئے۔ انہوں نے اس مقصد کو نہ کبھی بھلایا نہ کبھی پس پشت ڈالا۔ مولانا اصلاحی نے ایک بار مجھ سے کہا تھا کہ دین کی خدمت محض اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہوتی ہے۔ محض یہ بات کہ کسی کے اندر اہلیت ہے اُس سے یہ لازم نہیں کہ وہ خدمتِ دین بھی کر پائے گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ توفیق بھی انہی کو دیتا ہے جن کے ارادوں کو آزمائش کی بھٹی سے گزار کر پرکھ لیتا ہے۔ اور خاص طور پر اُن کو جو راتوں کو اٹھ کر اپنے پروردگار سے اس کی دعائیں مانگتے ہیں تو خدا ضرور اُن کے لیے اپنی راہیں فراخ کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ خالد مسعود صاحب کے حسنات کو قبول فرمائے۔

فکرِ فراہی اور ذکرِ اصلاحی کے امین

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی

مولانا امین احسن اصلاحیؒ (۱۹۰۳ء-۱۹۹۷ء) کے بعد جن حضرات نے فکرِ فراہی کی ترویج و اشاعت میں نمایاں کردار ادا کیا ان میں سے ایک جناب خالد مسعودؒ ہیں۔ افسوس کہ فکرِ فراہی کی ترجمانی کرنے والی یہ عظیم شخصیت یکم اکتوبر ۲۰۰۳ء کو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملی۔ مولانا اصلاحی کے پاکستانی تلامذہ میں جناب خالد مسعود کو اولیت و افضلیت حاصل تھی۔ مولانا اصلاحی سے خاکسار کو متعدد مرتبہ ملاقات کی سعادت نصیب ہوئی' مولانا نے اپنی کئی نشستوں میں مرحوم کی خوبیوں پر اظہار خیال کیا۔ مرحوم مولانا اصلاحی کے نزدیک قابلِ اعتبار تھے' مولانا انھیں اپنے تمام راز و نیاز میں شریک رکھتے کیونکہ وہ استادِ محترم کے مزاج سے پورے طور پر واقف تھے۔ میں جب بھی لاہور میں مولانا کی خدمتِ اقدس میں گیا تو دیکھا کہ مولانا کو تصنیف و تالیف کے دوران کسی کتاب یا حوالہ کی ضرورت ہوئی تو اسے مرحوم کے سامنے رکھتے' اسی طرح اپنی ذاتی ضروریات کا بھی مرحوم سے ذکر کرتے۔ آپ نہایت خندہ پیشانی سے مولانا کی خواہشات اور ضروریات کی تکمیل کرتے۔ مولانا کے نام میرے اکثر خطوط کے جوابات مرحوم کے قلم سے ہوتے' مختصر یہ کہ اپنی وابستگی کے پہلے دن سے آخری وقت تک مولانا کی خدمت کرتے رہے۔

پاکستان میں فکرِ فراہی کے دائرہ و تعارف کو وسیع کرنے میں خالد مسعود مرحوم نے جو مثالی خدمات انجام دی ہیں انھیں کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ مجلہ 'تدبر' کی اشاعت برسوں پر محیط ہے۔ وہ تمام عوائق و موانع کے باوجود تن تنہا اسے صرف اس لئے نکالتے رہے کہ ان کے پیشِ نظر ایک عظیم مقصد تھا' وہ یہ کہ اس کے ذریعہ پاکستانی اہلِ علم اور اردو قارئین کے مابین مولانا فراہی کے قرآنی افکار' نظمِ قرآن' اصولِ فہمِ قرآن' نظریہ حدیث' حکمتِ قرآن اور تصورِ بلاغت کو عام کیا جا سکے۔ مرحوم نے 'تدبر' میں بہ کثرت ایسے مقالات تحریر کیے جو فکرِ فراہی کی توضیح و تفسیر میں گرانقدر اہمیت کے حامل ہیں' یہ بات شاید مبالغہ پر محمول نہ کی جائے کہ مرحوم کو مولانا فراہی کی تصانیف پر دسترس حاصل تھی اور یہ بات بھی شاید غیر سنجیدہ نہ تصور کی جائے کہ فکرِ فراہی پر جس قدر مواد مرحوم نے چھوڑا وہ شاید کسی

اور اصلاحی (ماسوا مولانا اصلاحی) کے حصے میں نہ آسکا۔ فکر فراہی انھیں اس قدر عزیز تھا کہ ہر نفس اس کے فروغ میں صرف کیا۔ اس غیر معمولی اشتیاق نے انھیں اصلاحی سیمینار کے موقع پر ہندوستان آنے پر مجبور کیا[1] تاکہ وہ فراہی درسگاہ اور دیار فراہی و اصلاحی کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو سینک سکیں چنانچہ مرحوم ہندوستان آئے اور ایک ہفتہ سے زیادہ مولانا فراہی اور مولانا اصلاحی کی خواب گاہوں' فراہی کے مولد و منشا' مدرسۃ الاصلاح کی لائبریری' مختلف کتب پر مولانا فراہی کے حواشی و تعلیقات اور قریہ فراہی کا مشاہدہ کرتے رہے۔ مولانا فراہی کے متوالوں اور مولانا اصلاحی کے جاں نثاروں' اہل خاندان اور طلبہ سے ٹوٹ ٹوٹ کر ملتے رہے' لیکن عقیدت و محبت کی یہ پیاس افزوں ہوتی گئی چنانچہ نمناک آنکھیں لیے ہوئے مسند فراہی اور درسگاہ اصلاحی کو الوداع کہہ رہے تھے۔

مولانا فراہی کے زہد و ورع اور سادگی زندگی سے اہل علم بخوبی واقف ہیں۔ مولانا فراہی کی اسی قلندرانہ شان کا ایک نمایاں مظہر مدرسۃ الاصلاح ہے' یہی سادگی اور شان استغنا فضلاء مدرسہ میں بدرجہ اتم موجود ہوتی ہے۔ اسی روایت کے امین مولانا امین احسن اصلاحیؒ تھے۔ یہی تمام صفات محترم خالد مسعود کی شخصیت میں سرایت کر چکی تھیں۔ مجھے مرحوم سے ملنے کی سعادت کئی بار نصیب ہوئی۔ طبعاً سادہ تھے' انکساری شخصیت کا جزو لاینفک تھی۔ مجھے دو بار مرحوم کے دولت کدہ پر حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا' گھر کو دیکھنے سے یہ چیز پوری طرح نمایاں ہوئی کہ مرحوم کو زرق برق پاکستانی زندگی اور یہاں کے حسین و جمیل محلات سے کوئی لگاؤ نہ تھا کیونکہ مولانا فراہی اور مولانا اصلاحی کی طرح ان کی تمام تر حیات کا اساسی مرکز قرآنی رموز تھے۔

مرحوم قرآن کریم کے شیدائیوں کو مولانا فراہی کے قرآنی افکار سے باخبر کرنا چاہتے تھے' بقول ان کے مولانا فراہی قرآنی افکار کی دنیا کے امام تھے' فکر فراہی کا تعارف کراتے ہوئے مرحوم یوں رقمطراز ہیں:

> "قرآن فہمی اور قرآن مجید کی تفسیر کے موضوعات پر بیسویں صدی عیسوی میں جو کام ہوا ہے' اس میں امام حمید الدین فراہیؒ کا کام سرفہرست رکھنے کے لائق ہے' انھوں نے قرآن مجید کو اپنے غور و فکر کا محور بنایا' اس سے متعلق علوم سیکھنے پر غیر معمولی محنت صرف کی۔ تفسیر قرآن کی چودہ صدیوں کی خدمات کا جائزہ لے کر تفسیر کی مشکلات کو سمجھا۔ ان دانشوروں کے طریقہ کار کا مطالعہ کیا جو قرآن کو اپنے افکار کے تابع بنا کر پیش کرتے ہیں اور ان کے فکر کی غلط بنیادوں سے آگاہ ہوئے' قرآن پر معاصر مستشرقین کے حملوں کو دیکھ کر غور کیا کہ امت کیوں ان کا جواب دینے سے قاصر ہے۔ مسلمانوں میں فرقہ بندی اور انتشار فکری کے اسباب کی تحقیق کی تو ان کی تہ میں انھیں قرآن مجید سے بے اعتنائی اور اس کے مطالعہ کے اصولوں سے ناواقفیت کا سراغ ملا۔"[2]

مذکورہ سطور سے واضح ہے کہ فکر فراہی سے وہ کس حد تک متاثر تھے' اسی وابستگی اور غیر معمولی تعلق کی وجہ سے انھوں نے جہاں فکر فراہی کی تعلیم و تشہیر کے لئے بے شمار مقالات مجلہ' تدبر' میں تحریر کئے' وہیں مولانا فراہیؒ کی کئی

کتابوں کو اردو میں منتقل کیا۔ تصانیف فراہی میں حکمت قرآن ایک منفرد نوعیت کی تصنیف ہے' متقدمین کی تصانیف میں اس کی نظیر نہیں ملتی' کتاب کی اسی اہمیت وافادیت کو دیکھتے ہوئے مرحوم نے اسے اردو میں منتقل کیا'[۳] چنانچہ اردو قارئین کی جانب سے اسے صد درجہ پذیرائی ملی۔ مرحوم نے اس ترجمہ کے شروع میں اپنی طرف سے ایک مقدمہ بھی شامل کیا ہے جس میں کتاب کی عظمت اور مولانا فراہیؒ کے تصور حکمت کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ مرحوم نے کتاب کی وقعت پر یوں روشنی ڈالی ہے جو انھوں (مولانا فراہیؒ نے) لفظ حکمت کی اہمیت کے پیش نظر اس کو بھی اپنی تحقیق کا موضوع بنایا۔ اس کی لغوی تحقیق ان کی کتاب ''مفردات القرآن'' میں ہے جبکہ قرآن مجید میں اس لفظ کے استعمال پر انھوں نے اپنی ایک مستقل تصنیف ''حکمت القرآن'' میں سیر حاصل بحث کی ہے' امام فراہیؒ کے نتائج تحقیق نہایت وقیع' فکر آفریں اور قرآنی مباحث کو سمجھنے کے لئے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔[۴]

مولانا فراہیؒ نے متقدمین اور متاخرین کی قرآنیات سے متعلقہ تمام مساعی کا تنقیدی نظر سے مطالعہ کیا تھا جس کا ثبوت تصانیف فراہی میں موجود ہے۔ مولانا فراہیؒ نے فہم قرآن کے راہنما اصول پیش کئے جس کی روشنی میں تفکر وتدبر کی وہ راہیں ہموار ہوئیں جس کی مثال ماضی میں نہیں ملتی۔ جناب خالد مسعود نے مقدمہ نظام القرآن[۵] دلائل النظام[۶] اسالیب القرآن[۷] اور التکمیل فی اصول التاویل[۸] کے مباحث کا اردو میں ترجمہ کیا اور ان کی ترتیب و تدوین کے بعد ''تفسیر قرآن کے اصول'' کے عنوان سے اردو قارئین کے لئے پیش کیا۔ اس میں اختلاف کی گنجائش ہے۔ بعض جگہوں پر تراجم سے بات پوری طرح نمایاں نہیں ہوتی تاہم یہ ایک بڑا کام ہے۔ اس کتاب کا ایک خاص پہلو یہ ہے کہ نظم قرآن کی بحث کو بڑے قرینے سے پیش کیا گیا ہے۔

خالد مسعود مرحوم نے علوم قرآن کے ساتھ ساتھ علوم حدیث کا بھی وقت نظر سے مطالعہ کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا فراہی کے نظریہ حدیث کو محققین کے سامنے خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔[۹] ابتدا ہی سے مولانا فراہیؒ اور مولانا اصلاحیؒ کو منکر حدیث کے زمرے میں زبردستی دھکیلا جاتا رہا ہے۔ اسی بے بنیاد الزام کی تردید میں مولانا نجم الدین اصلاحی[۱۰] ڈاکٹر الطاف احمد اعظمی[۱۱] اور مولانا نسیم ظہیر[۱۲] نے مقالات تحریر کئے اور یہ واضح کیا کہ مولانا فراہیؒ پر انکار حدیث کا الزام لگانا حقیقت سے انحراف ہے۔ اسی سلسلے کی ایک مضبوط کڑی جناب خالد مسعود صاحب ہیں جنھوں نے اپنی مختلف تحریروں اور ایک مبسوط مقالہ سے واضح کیا کہ مولانا فراہیؒ اور مولانا اصلاحیؒ کو منکر حدیث قرار دینا سراسر ناانصافی ہے۔[۱۳]

اسی عاجلانہ اور غیر عادلانہ اقدام کی مزید وضاحت کے لئے مولانا اصلاحیؒ کے ان محاضرات کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے جو صحیح بخاری اور موطا امام مالکؒ پر دیئے گئے ہیں۔ مولانا اصلاحیؒ کے یہ دروس ان حضرات کے لئے عبرت ونصیحت ہیں جو حدیث کے سلسلے میں غلو سے کام لیتے ہیں۔ مولانا اصلاحیؒ نے ثقاہت رواۃ اور صحت متن پر

جامع و مانع بحث کی ہے۔ فہم حدیث کے لئے ضروری ہے کہ مضامین پر نظر ہو اور یہ دیکھا جائے کہ کیا قرآن کریم سے متعارض تو نہیں ہیں؟ اگر دونوں میں تعارض ہے تو قرآن کریم پر عمل کیا جائے گا اور کسی تاویل کا سہارا نہیں لیا جائے گا۔ مولانا کے نقطۂ نظر کو جاننے کے لئے ''مبادی تدبر حدیث'' کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔[۱۴]

بخاری اور موطا کے دروس کو جناب خالد مسعود صاحبؒ نے ترتیب دیا ہے' یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ یہ علمی دنیا پر ایک بڑا احسان ہے۔ مرحوم نے مولانا اصلاحیؒ کے بے شمار علمی کاموں کو منظر عام پر لانے کے لئے بڑے جوکھم اٹھائے ہیں' یہ سچ ہے کہ مرحوم کی یہ مخلصانہ' سنجیدہ اور عالمانہ کوشش نہ ہوتی تو مولانا اصلاحیؒ کے بہت سے تفردات گردش ایام کی نذر ہو جاتے اور فکر فراہی کا دائرہ پاکستان میں یہ وسعت اختیار نہ کرتا۔

مرحوم نے مولانا فراہیؒ کی کتاب ''اسباق النحو'' کو ایک جدید انداز میں پیش کیا' یہ ایک ایسی مختصر کتاب ہے کہ اگر اسے بغور پڑھ کر حفظ کر لیا جائے تو عربی زبان کے طلبہ کو موٹی موٹی کتابوں سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ پاکستان کے مدارس اسلامیہ میں صرف ونحو کی ایسی ایسی اوق کتابیں داخل نصاب ہیں جو طلبہ کے لئے پریشانی کا سبب ہیں' اسی مشکل کو سامنے رکھتے ہوئے مرحوم نے اس طرف قدم اٹھایا۔ یہ ایک قابل قدر کاوش ہے' کیا ہی اچھا ہوتا کہ کتاب پر مولانا فراہی کا بھی نام ہوتا۔ اس سے کتاب کے اعتبار و استناد میں اضافہ ہوتا۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی تفسیر 'تدبر قرآن' دنیا کی تمام زبانوں میں موجودہ تفاسیر میں ممتاز و منفرد نوعیت کی حامل ہے۔ یہ واحد تفسیر ہے جس میں اول تا آخر نظریہ نظم قرآن کو ملحوظ رکھا گیا ہے' دراصل یہ مولانا فراہیؒ کے فلسفہ نظم قرآن کی عملی شکل ہے۔ 'تدبر قرآن' نو جلدوں میں چھ ہزار سے زائد صفحات پر محیط ہے۔ اس ضخیم کتاب سے استفادہ کرنا نہایت دشوار کام ہے۔ اس لیے مرحوم خالد مسعود صاحبؒ نے اس کی تلخیص کا بیڑا اٹھایا' پہلے یہ تلخیص 'تدبر' میں بالاقساط شائع ہوتی رہی جسے مولانا اصلاحیؒ نے اپنی زندگی میں پسند فرمایا تھا۔ قرآن مجید کا متن' اس کا ترجمہ اور تفسیر تدبر قرآن کی تلخیص ۹۵۸ صفحات پر مشتمل ہے' کہنے کو تو یہ تلخیص ہے' لیکن دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مرحوم نے اس کی ترتیب میں بڑی محنت صرف کی ہے۔ انھوں نے تلخیص کے پیش لفظ میں تفسیر 'تدبر قرآن' کی اہمیت کو یوں اجاگر کیا ہے:

''یہ بات ذہن میں رہے کہ تفسیر تدبر قرآن قرآنی علوم کا ایک بحر ذخار ہے' اس کا کوئی خلاصہ اس کا بدل نہیں ہو سکتا' لہٰذا قرآن سمجھنے کے شائق لوگوں کو حاشیہ پڑھنے کے بعد اپنی علمی پیاس بجھانے کے لئے مولانا کی بے مثال تفسیر ہی کے مطالعہ سے سیرابی حاصل ہوگی''۔[۱۵]

یہ سچ ہے کہ تلخیص بدل تو نہیں ہو سکتی' لیکن حواشی اس قدر معلومات افزا ہیں کہ اس پر اصل کا گمان ہونے لگتا ہے' حواشی میں اس قدر جامعیت ہے کہ اس سے 'تدبر قرآن' کی خصوصیات کی خاصی حد تک نمائندگی ہوتی ہے' حواشی

سے مرحوم کی غیر معمولی علمی قابلیت اور قرآنی علوم پر گہری بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے' حواشی میں اس بات کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے کہ مولانا اصلاحی کے مفہوم و مدعا کی پوری پوری عکاسی ہو' بہرکیف کہنے کو تو یہ تلخیص ہے' لیکن یہ کئی تصانیف پر بھاری ہے' اس تلخیص میں ایک قابل قدر پہلو یہ اپنایا گیا کہ آیات کے تراجم میں جن محذوفات کو تدبر قرآن میں کھولا گیا ہے اسے اس تلخیص میں بین القوسین کر دیا گیا ہے تاکہ ماہرین قرآن کی نظروں میں یہ نزاکت سامنے آسکے۔ سورتوں کے مرکزی مضامین کو بھی نہایت اختصار کے ساتھ بے کم و کاست پیش کر دیا گیا ہے' حواشی میں مفردات کے معانی اور اہم نکات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ایک سورہ میں بعض چیزوں کے مزید استفسار کے لئے دوسری سورہ کے مباحث سے مدد لی گئی ہے۔ (۴) اس کی وجہ سے دقیق مسائل منقح ہو کر منظر عام پر آ جاتے ہیں۔ اس تلخیص کی وجہ سے 'تدبر قرآن' کی جانب میلان میں اضافہ ہوگا نیز 'تدبر قرآن' کے امتیازات تک رسائی میں سہولت ہوگی۔ یہ ایک ایسا علمی و تحقیقی کام ہے' جس کی وجہ سے شائقین قرآن کا حلقہ وسیع ہوگا۔

خالد مسعودؒ کی آخری تصنیف ''حیات رسول امیؐ'' کو سیرت کی کتب میں نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ یہ کتاب دراصل مولانا اصلاحیؒ کے خوابوں کی تعبیر ہے۔ فکر فراہی کے خطوط کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسے قرآن حکیم کی روشنی میں ترتیب دیا گیا ہے۔ سیرت النبیؐ سے مروی ہے کہ ''کان خلقه القرآن'' یعنی قرآن کریم آپؐ کی کامل تصویر کا آئینہ دار ہے۔ مقدمہ کتاب میں خالد مسعودؒ نے اس پہلو کو خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے اور اس پہلو کو موضوع بحث بنایا ہے کہ سیرت پاک کی توضیح و تشریح کے باب میں قرآن کریم حد درجہ ممد و معاون ہے۔ ''حیات رسول امیؐ'' دبستان شبلی اور مکتب فراہی کی ایک خوبصورت کاوش ہے۔ اس کتاب میں جا بجا قرآنی مباحث پر اظہار خیال کیا گیا ہے اور ان احادیث سے مدد لی گئی ہے جو تبیین قرآن کا کام کرتی ہیں۔ یہ کتاب از اول تا آخر آیات کریمہ کی روشنی میں پایہ تکمیل کو پہنچتی ہے کیونکہ خالد مسعودؒ کو اس کا پورا احساس تھا کہ:

> اس آیت (الطلاق: ۶۵/۱۰-۱۱:۱۱) میں رسول اللہؐ کو ذکر یعنی قرآن مجید کے بدل کے طور پر پیش کیا گیا ہے' گویا قرآن اور رسول حقیقت میں ایک ہی ہیں۔ ایک لفظ کی شکل میں ہے تو دوسرا انسانی جسم کی شکل میں ہے''۔

حیات رسول امیؐ کے ہر باب میں قرآن کریم کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ سیرتی لٹریچر کے بنیادی ماخذ سے مدد لی گئی ہے۔ اسی طرح نظام القرآن اور تصانیف اصلاحی بھی خالد مسعودؒ کے پیش نظر رہی ہیں۔ اس کتاب کے مطالعے سے جس طرح نبی امیؐ کے تمام گوشے روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتے ہیں اس طرح قرآن کریم کی ایک مستند تاریخ نظروں کے سامنے آ جاتی ہے۔ قرآن کریم کی حیثیت قرآن کریم پر قریش کے اعتراضات' قرآن کریم کے وحی ہونے پر اعتراض' قرآن اور قدیم صحف میں فرق کا اعتراض' اہل کتاب پر تنقید' شق قمر کی نشانی کا ظہور' یوم الفرقان' ختم نبوت اور جمع و تدوین قرآن وغیرہ جیسے موضوعات پر پُر مغز گفتگو کی گئی ہے۔ ان مباحث کے

مطالعہ سے مرحوم خالد مسعودؒ کی قرآنیات پر گہری گرفت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ تدوین قرآن کے سلسلے میں نہایت جامع بحث کی ہے اور اس بات کو مفصل انداز میں بتا دیا کہ عہد رسولؐ ہی میں قرآن کریم پورے کا پورا مدون ہو چکا تھا۔ جیسا کہ خالد مسعودؒ نے روایات کے حوالے سے بتایا کہ:

''نبیؐ جو کتابت کرواتے وہ اپنے خاص مصحف میں ترتیب سے رکھواتے۔ ابتداء میں یہ مصحف مسجد نبوی کے ایک ستون کے پاس ایک صندوق میں رکھا رہتا۔ اس ستون کا نام ہی ''اسطوانہ مصحف'' پڑ گیا۔ صحابہؓ یہیں بیٹھ کر اپنی ضرورت کا قرآن لکھوا لیا کرتے۔ اس طرح اصل مصحف محفوظ رہتا۔ زید بن ثابتؓ کا قول روایات میں نقل ہوا ہے:

کنا عند رسول الله مؤلف القرآن من الرقاع ۔ ہم رسول اللہؐ کے پاس اوراق کی مدد سے قرآن مرتب کیا کرتے تھے۔ (الاتقان فی علوم القرآن) بعد میں جب منافقین و معاندین کی ریشہ دوانیاں بڑھ گئیں تو رسول اللہؐ نے حفاظت کے نقطۂ نظر سے یہ مصحف مسجد سے اٹھوا دیا اور اس کو ام المومنین حضرت حفصہؓ کے حجرہ میں رکھوا دیا۔ حضورؐ کو توقیفی ترتیب پر قرآن سنانے کا انتظام من جانب اللہ ہوا۔''[۲۵]

قرآن کریم عہد نبویؐ میں پورا کا پورا موجودہ ترتیب کے مطابق جمع ہو چکا تھا۔ محترم خالد مسعود صاحب نے اپنی اس کتاب میں مکتب فراہی کی نمائندگی کی ہے۔ اس طرح کے اور بہت سے مباحث ایسے ہیں جن کی وجہ سے یہ کتاب سیرتی لٹریچر میں انفرادیت کی حامل ہے۔ خالد مسعود صاحب کا شمار ہند و پاک کے مایہ ناز ماہرین قرآنیات میں ہوتا ہے۔ آپ کی یہ کتاب آنحضورؐ کا ایک سچا خاکہ پیش کرتی ہے کیونکہ یہ خاکہ قرآن کریم کی روشنی میں ترتیب دیا گیا ہے۔ میرے خیال میں یہ کتاب اپنی نوعیت کے لحاظ سے عربی اور اردو میں پہلی کاوش ہے۔ اسے کم از کم عربی میں بہت جلد منتقل کرنے کی ضرورت ہے۔ کتاب کے مباحث کی روشنی میں یہ بات بلا خوف کہی جا سکتی ہے کہ علمائے عرب اسے قدر و تحسین کی نظروں سے دیکھیں گے۔ کتاب اپنی زبان و بیان کے لحاظ سے رعنائیوں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ ہر بات صاف ستھرے انداز میں پیش کی گئی ہے۔ انداز عالمانہ ہے۔ عبارت آرائی سے گریز کیا گیا ہے۔ قرآنیات کے ساتھ ساتھ احادیث سے استدلال کیا گیا ہے۔ مصادر و مراجع میں معیار کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ جگہ جگہ شخصیت رسولؐ پر عائد کردہ الزامات اور غلط عقائد کی نشان دہی کی گئی ہے۔ یہ کتاب ایک طرف اگر سرور کائناتؐ کا جامع مرقع ہے تو دوسری طرف ایک مستند تفسیر قرآن بھی ہے۔

مذکورہ سطور کا جائزہ لیا جائے تو تین چیزوں سے مرحوم کی زندگی عبارت ہے ایک تو یہ کہ انھوں نے قرآنی تحقیقات کو اپنی ردائے زیست بنا رکھا تھا' دوسرے قرآنی تحقیقات کی دنیا میں انھیں مولانا حمید الدین فراہیؒ کی ذات سرخیل کے مانند نظر آتی' اسی لئے فکر فراہی کی ترسیل و تبلیغ میں ہمہ تن مصروف رہے اور تیسرے یہ کہ انھیں مولانا اصلاحی سے چونکہ شرف تلمذ حاصل تھا اس لئے پورے اخلاص اور دلجمعی سے مولانا اصلاحی کی قرآنی خدمات و

تحقیقات کی تعریف وتشریح کو اپنا فریضہ حیات بنا رکھا تھا۔ یہ کہنا ہرگز مبالغہ نہ ہوگا کہ مدرسۃ الاصلاح کے قرآنی مشن کی تعمیر وترقی میں جو ناقابل فراموش خدمات جناب خالد مسعود صاحبؒ نے انجام دی ہیں وہ مدرسہ کی تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھی جائیں گی۔ وہ معنوی اعتبار سے ابنائے مدرسۃ الاصلاح میں نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔ ذمہ داران مدرسہ پر واجب ہے کہ مجلّہ ''نظام القرآن'' کا ایک شمارہ ان کی خدمت کے لئے وقف کیا جائے' ان کی قرآنی تحقیقات کے تحیلات وتجزیات کے لئے ایک مباحثہ کا انعقاد کیا جائے' اور ذمہ داران ادارہ ''علوم القرآن'' اپنے ترجمان میں ان کے لئے ایک گوشہ مخصوص کریں۔ آخر میں ادارہ تدبر قرآن وحدیث کے حاملین سے درخواست ہے کہ مرحوم کے کام کو جاری وساری رکھا جائے۔ نیز مجلّہ 'تدبر' اور دیگر مجلات ورسائل میں مرحوم کے شائع شدہ مقالات کو جمع کر کے مختلف موضوعات کے تحت شائع کیا جائے۔ مرحوم نے قرآنیات' فراہیات اور اصلاحیات کے علاوہ بے شمار مقالات معاشرتی اور سیاسی موضوعات پر بھی قلم بند کئے۔ آج کی نئی نسل کے لئے یہ چیزیں حد درجہ مفید ثابت ہوں گی۔ فکر وشعور میں بالیدگی آئے گی۔ محترم خالد مسعودؒ بلندیوں کی اس سطح پر فائز تھے کہ اپنے لیے یہ شعر پڑھ سکتے تھے۔

کوئی بتلائے کہ کیسے یہ خبر عام کریں
ڈھونڈتی ہے جسے دنیا وہ نشاں ہیں ہم لوگ

حواشی

۱۔ یہ سیمینار جنوری ۱۹۹۹ء میں مدرسۃ الاصلاح' سرائے میر' اعظم گڑھ میں منعقد ہوا' اس سیمینار میں خالد مسعودؒ نے ''مولانا اصلاحی کی خدمت حدیث'' کے عنوان سے مقالہ پیش کیا۔

۲۔ پیش لفظ از خالد مسعود (تفسیر قرآن کے اصول' امام حمید الدین فراہی (ترتیب وجمع: خالد مسعود) ادارہ ''تدبر قرآن وحدیث'' لاہور' نومبر ۱۹۹۹ء)

۳۔ حکمت قرآن (مترجم) پر تبصرہ کے لئے دیکھئے ''قرآنیات کے چند اہم مباحث'' ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی' اردو اپرنٹرز دہلی' اشاعت اول' ۲۰۰۲ء ص ۵۱-۷۰

۴۔ مقدمہ از مترجم (حکمت قرآن' امام حمید الدین فراہی' فاران فاؤنڈیشن۔ لاہور' پاکستان۔ طبع اول اکتوبر ۱۹۹۵ء ص ۱۳)

۵۔ مقدمہ تفسیر نظام القرآن' مولانا حمید الدین فراہی (ترجمہ از مولانا امین احسن اصلاحی) دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح اعظم گڑھ (نوے صفحات پر مشتمل ہے) یہ مقدمہ تفسیر نظام القرآن میں بھی نقل ہے۔

۶۔ دلائل النظام۔ المعلم عبدالحمید الفراہی۔ الدائرۃ الحمیدیہ' الطبعۃ الاولی' ۱۳۸۸ھ (یہ کتاب ۱۲۷ صفحات پر مشتمل ہے)

۷۔ رسائل الامام الفراہی فی علوم القرآن" میں دلائل النظام' التکمیل فی اصول التاویل کے علاوہ "اسالیب القرآن" بھی شامل ہے' جو دائرہ حمیدیہ اعظم گڑھ سے دوسری بار ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء میں شائع ہوا ہے۔

۸۔ التکمیل فی اصول التاویل۔ المعلم عبدالحمید الفراہی۔ الدائرۃ الحمیدیہ۔ الطبعۃ الاولی۔ ۱۳۸۸ھ (یہ کتاب ۶۹ صفحات پر مشتمل ہے)

۹۔ فراہی مکتب فکر اور خدمت حدیث۔ خالد مسعود' تدبر' جون ۲۰۰۳ء شمارہ ۸۰' ص ۲۔۵

۱۰۔ مولانا نجم الدین اصلاحی' مولانا فراہی کے تلامذہ میں سے ہیں' آپ نے مجلّہ "القاسم" دیوبند۔ یوپی میں مولانا فراہی کے نظریہ حدیث پر ایک مقالہ رقم فرمایا تھا۔ اس مجلّہ کے وہ مدیر بھی تھے۔

۱۱۔ ڈاکٹر الطاف احمد اعظمی نے "التکمیل فی اصول التاویل" کا ترجمہ کیا ہے اور اس پر ان کا ایک طویل مقدمہ ہے' جس میں انھوں نے مولانا فراہیؒ کے نظریہ حدیث کو موضوع گفتگو بنایا ہے۔

۱۲۔ مولانا فراہی کا طریقۂ تفسیر' نسیم ظہیر اصلاحی' تحقیقات اسلامی ۸/ ۴ اکتوبر۔ دسمبر ۱۹۸۵ء' ص ۱۱۳۔۱۱۶' ۹/ ۱' جنوری۔ مارچ ۱۹۹۰ء' ص ۱۰۳۔۱۱۲

۱۳۔ مولانا امین احسن اصلاحی کی خدمت حدیث۔ خالد مسعود' علوم القرآن۔ علی گڑھ۔ جنوری ۱۹۹۸ء' دسمبر ۲۰۰۰ء' جلد ۱۳۔۱۵' ص ۲۵۶۔۲۷۰

۱۴۔ مبادی تدبر حدیث" جس کا ترجمہ ایس۔ اے راؤف نے "*Basic Principles for the Study of Hadith*" کے عنوان سے کیا ہے۔ (اسلامک پبلی کیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ' لاہور' بار اول ۱۹۹۷ء' صفحات ۱۹۰)

۱۵۔ قرآن حکیم (مع ترجمہ اور اخذ و تلخیص تفسیر تدبر قرآن از مولانا امین احسن اصلاحی) اخذ و تلخیص از خالد مسعود' فاران فاؤنڈیشن' طبع اول' لاہور' دسمبر ۲۰۰۰ء' ص ۹

۱۶۔ ایضاً' ص ۵

۱۷۔ حیات رسول امیؐ' خالد مسعود' تمہید مولانا امین احسن اصلاحیؒ' دار التذکیر' طبع دوم' لاہور' دسمبر ۲۰۰۳ء' ص ۵۳۴

مطبوعات

ادارہ تدبرِ قرآن وحدیث

تدبر حدیث

ترجمہ وتوضیح: مولانا امین احسن اصلاحی

ترتیب وتدوین: مولانا خالد مسعود، سعید احمد، سید اسحاق علی

- فہم حدیث کا نیا اور منفرد انداز
- عظیم تر اسلامی فقہ کے تناظر میں فقہی آرا کا محاکمہ
- قرآن مجید کے تقابل میں شرح حدیث

شرح صحیح بخاری (جلد اول)	صفحات 580	قیمت: 360 روپے
شرح موطا امام مالک (جلد اول)	صفحات 544	قیمت: 350 روپے

ملنے کا پتہ

ادارہ تدبرِ قرآن وحدیث رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، رحمن آباد لاہور

فاران فاؤنڈیشن 122۔ فیروز پور روڈ۔ اچھرہ، لاہور

دار التذکیر رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

اِک ماہرِ قرآن کی یاد میں

عبدالرزاق

جناب خالد مسعودؒ سے اس وقت تعارف ہوا جب ۱۹۹۳ء میں مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے نقاہت اور خرابی صحت کی وجہ سے قرآن مجید کا درس موقوف کیا اور وہیں سے خالد مسعود صاحب نے یہ سلسلہ درس شروع کیا۔ اس وقت سورۃ القصص جاری تھی۔ میں بھی اس درس میں شریک ہونے لگا اور یہ سلسلہ آخر تک چلتا رہا۔

خالد مسعود صاحب بڑے دھیمے اور سلجھے انداز میں درس دیتے۔ دوران درس وہ شرکاء کے سامنے سوال بھی رکھتے تا کہ ان کے ذہن بیدار ہوں۔ وہ سوالات کے شافی جوابات بھی دیتے۔ جب وہ سورتوں کا ایک باب (Group) مکمل کر لیتے تو پھر اس باب کا جائزہ پیش کرتے۔ اس میں ان کی اپنی تحقیقات بھی شامل ہوتیں۔ میں نے ان کو بعض مقامات پر اپنے استاذ سے بڑے سلیقے اور احترام سے اختلاف کرتے بھی دیکھا ہے۔ آپ نے نہ صرف فکرِ فراہی واصلاحی کو اپنے اندر سمویا بلکہ اس میں مزید تحقیقات کر کے اس کو مزید نکھارا۔

ادارہ کے رفقاء وقتاً فوقتاً مولانا اصلاحیؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اس طرح مجھے بھی اس محفل میں حاضر ہونے کا موقع مل جاتا۔ بعض اوقات دوران درس کسی آیت کے بارے میں مشکل پیش آتی تو ملاقات کے دوران خالد مسعود صاحب اسے مولانا اصلاحیؒ کے سامنے پیش کرتے۔ جب مولانا اصلاحیؒ آیت کے بارے میں رائے ظاہر کرتے تو وہ کم وبیش وہی ہوتی جو خالد مسعود صاحب کی رائے ہوتی۔ استاد اور شاگرد کی رائے میں کوئی خاص فرق نہ ہوتا۔

میں نے خالد مسعود صاحب کو ایک سعادت مند شاگرد کے روپ میں دیکھا ہے۔ جب بھی ہم مولانا اصلاحیؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ حقیقتاً اپنے استاد کو کندھے جھکائے ملتے۔ اپنے استاد کا حد درجہ ادب واحترام کرتے۔ مولانا اصلاحیؒ کے آخری برسوں میں جب فالج کے حملے کے بعد وہ صاحب فراش ہو گئے تو دوران عیادت خالد مسعود صاحب انھیں پشت سے تکیہ کی ٹیک دے کر بٹھاتے اور جب تک ہم وہاں رہتے وہ برابر ان کو دباتے

ہے۔

آپ نے مولانا فراہیؒ کے عربی مسودات سے ترجمہ اور ترتیب و تدوین کے بعد "تفسیر قرآن کے اصول" کے نام سے ایک کتاب شائع کی اور بعد میں بڑے اہتمام سے اس کتاب کو سبقاً سبقاً پڑھایا۔

میرے لیے وہ دن بڑی خوشی کا ہوتا جب ان کی نئی کتاب آتی۔ میں بطور خاص ان کے دستخط ثبت کرا کے وہ کتاب لیتا اور خاص طور پر یہ بھی کہتا کہ میرے لیے کوئی نصیحت یا تلقین ضرور لکھیں۔

خالد مسعود صاحبؒ بلاشبہ ایک بہت بڑے ماہر قرآن تھے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قرآن کے ماہر کا درجہ معزز فرمانبردار فرشتوں کا ہے"۔ واقعہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی روشنی میں خالد مسعود صاحبؒ کو میں اللہ کے حضور وفادار اور فرمانبردار فرشتوں کی صف میں دیکھتا ہوں۔

کتابت قرآن

قرآن مجید کی کتابت کا کام حضورؐ نے مسلسل جاری رکھا۔ کم و بیش ایسے چالیس صحابہؓ کے نام کتابوں میں آئے ہیں جنھوں نے کتابت وحی میں حصہ لیا۔ ان میں مکی بھی ہیں اور مدنی بھی۔ جب بھی قرآن کی کچھ آیات نازل ہوتیں تو حضورؐ کتابت جاننے والے صحابی کو طلب فرماتے اور اس کو یہ ہدایت دیتے کہ ان آیات کو فلاں سورہ میں فلاں آیت کے بعد اور فلاں آیت سے پہلے لکھ دو۔ یہ ہدایت اس لیے دی جاتی کہ قرآن کو نزول ترتیب پر لکھوانا مد نظر نہ تھا بلکہ قرآن اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق جمع ہو رہا تھا اور اس کو نئی ترتیب دی جا رہی تھی۔ یہ ترتیب توقیفی کہلاتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے تحت مقرر کردہ ترتیب۔ قرآن آج تک اسی ترتیب سے لکھا جاتا اور اس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اس زمانہ میں دشمنوں کی یہ کوشش تھی کہ وہ اپنی من گھڑت ترتیب پر نیا قرآن مدون کریں۔ اسی لیے وہ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ موجودہ ترتیب صحابہ اور خصوصاً زید بن ثابتؓ کی قائم کردہ ہے اور اس کی اصلاح ضروری ہے کیونکہ اس میں ایڈیٹنگ کے نقائص ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ترتیب اللہ کے حکم سے حضورؐ کی نگرانی میں قائم ہوئی۔ اس میں کسی انسانی کاوش کو دخل نہیں ہے۔ مستشرقین نے قرآن کی ترتیب نو کی متعدد کوششیں کی ہیں لیکن ان کو اپنے اہل تحقیق نے ایک لایعنی کام قرار دیا ہے اور کسی کو بھی قبولیت حاصل نہیں ہوئی۔

(حیات رسول امیؐ، خالد مسعود تلمیذ مولانا امین احسن اصلاحی، صفحہ ۵۳۳)

گنج گراں مایہ

محبوب سبحانی

مولانا خالد مسعودؒ کے علم و فضل اور ان کی ہمہ گیر شخصیت کا جائزہ لینے کے لئے ہمیں مکتب فراہی کے نمایاں اوصاف کی طرف رجوع کرنا پڑے گا جس سے ان کا گہرا تعلق تھا۔ التفات دل دوستاں دیکھ کر میں اہل علم اور دینی طلبا کے سامنے چند گزارشات پیش کر رہا ہوں۔

ہر دور اور ہر زمانے میں دنیا پر فکر (Thought) کی حکمرانی رہی ہے۔ جو فکر جس دور میں خود کو دوسرے افکار سے بالاتر ثابت کر دیتی ہے اس دور میں وہی راج کرتی ہے۔ اس وقت دنیا میں مغربی فکر و فلسفہ کی حکمرانی ہے۔ اگر ہم اسلام کو غالب دیکھنا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ قرآن کے فکر و فلسفہ کو مغربی افکار سے بلند تر ثابت کریں۔ یہی وہ نکتہ ہے جسے مولانا حمید الدین فراہیؒ نے سمجھ لیا تھا۔ انھوں نے برسوں کے تدبر کے بعد قرآن پر غور و فکر کے اصول متعین کئے، ساتھ ہی انھوں نے مغربی فکر و فلسفہ کا مطالعہ اور محاکمہ کر کے اس کے حسن و قبح کو واضح کیا۔ وہ قرآنی علوم کی ترتیب و تدوین میں اس قدر مصروف رہے کہ وہ اس شعبہ میں کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں کر سکے البتہ کچھ اشارات ضرور چھوڑ گئے۔ انھوں نے اس کمی کو یوں پورا کیا کہ اپنے نامور شاگرد مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے اندر فلسفہ کے مطالعہ کے شوق کی تہذیب کی اور مغربی افکار کے متعلق ان کے بعض اشکالات کو دور کر کے ان کے اندر یہ جوت جگائی کہ وہ مغربی فلسفیوں کے افکار کا قرآن کی روشنی میں جائزہ لے سکیں اور واضح کر سکیں کہ ان میں حق کس قدر ہے اور باطل کتنا ہے۔ مولانا اصلاحیؒ نے تعصبات سے بلند ہو کر مغربی افکار کا گہرا مطالعہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے کانٹ کو سقراط ثانی قرار دیا۔ جب انھوں نے ہابس (Hobbs) کی یہ بات پڑھی کہ وحی عقل کی تکبیر (Enlargment of Intellect) ہے تو وہ پھڑک اٹھے اور کہا کہ یہ بات آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ انھوں نے قرآن کی روشنی میں فلسفہ کے بنیادی مسائل پر ادارہ تدبر قرآن و حدیث میں لیکچر بھی دیے جس میں انھوں نے خیر و شر اور جبر و قدر

ایسے الجھے ہوئے سوالات کا حل آسان اور سہل انداز میں پیش کیا۔ میں نے خالد مسعود صاحب کی معاونت سے ان لیکچرز کو مرتب کیا۔

افکار مغرب کے متعلق ہمارا رویہ دو طرح کا ہے یا تو ہم انھیں من وعن قبول کر لیتے ہیں یا ان کو نجس سمجھ کر رد کر دیتے ہیں لیکن یہ رویہ علمی نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ ہم عصر حاضر کے بہت سے اہم سوالات کو حل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ خالد مسعود صاحب نے وسیع مطالعہ اور قرآن کے گہرے علم کی بدولت اپنے اندر یہ صلاحیت پیدا کر لی تھی کہ وہ وحی الٰہی کی روشنی میں پرکھ کر بتا سکتے تھے کہ کسی فکر اور فلسفہ میں کیا صحیح ہے اور کیا غلط اور قرآن اس کے مقابلے میں جو فکر پیش کرتا ہے وہی حق ہے۔ اس سلسلہ میں اگرچہ انھوں نے کوئی تصنیف نہیں چھوڑی تاہم ادارہ تدبر قرآن وحدیث کے زیر اہتمام درس قرآن کے دوران جب کسی آیت کے تحت ایسا کوئی مسئلہ زیر بحث آتا تو قرآن سے متصادم رائے پر تنقید کر کے اس کا سقم واضح کر دیتے۔

مجھے اہل علم حضرات' خاص کر دینی علوم کے طلبا سے یہ گزارش کرنی ہے کہ ان میں سے ایسے لوگ آگے بڑھیں جو اس نہج پر کام کریں۔ مغربی فکر و دانش کا گہرا مطالعہ کر کے واضح کریں کہ مغربی مفکرین نے کہاں کہاں ٹھوکر کھائی ہے اور کون سی بات صحیح کہی ہے ان کے مقابلہ میں قرآن جو فکر و دانش پیش کرتا ہے وہی عقل اور فطری دانش ہے اور تمام خامیوں سے پاک اور اعلیٰ و ارفع ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت دنیا میں دو بنیادی افکار کا راج ہے۔ ایک فکر نفسیات سے تعلق رکھتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ انسان اپنے ماحول کی مخلوق ہے۔ "Man is the creation of his enviornment" اگرچہ ڈی این اے کی تھیوری کے بعد اس کو کچھ ضعف پہنچا ہے' لیکن ابھی تک اسی کا راج ہے۔ دوسرے نظریہ کے مطابق انسان ایک ترقی یافتہ حیوان ہے۔ ان نظریات نے خالق کی نفی کر دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی دنیا کا اپنے خالق سے رشتہ ٹوٹ گیا ہے یا بے حد کمزور ہو گیا ہے۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم ان دونوں نظریات کا محاکمہ کر کے صحیح بات دنیا کے سامنے پیش کریں اور مغرب کا خالق سے رشتہ دوبارہ استوار کریں۔ میں جہاں تک سمجھ سکا ہوں اسلامی انقلاب لانے کا راستہ یہی ہے لیکن ہمارے بعض دوستوں کا خیال ہے کہ بیلٹ بکس سے جعلی ووٹوں کے ذریعے اسلامی انقلاب بھی برآمد ہو سکتا ہے۔

حریت فکر:

مکتب فراہی کا ایک خاص وصف حریت فکر ہے۔ اسی سے انسانی عقل کو غذا ملتی ہے اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو جلا ملتی ہے۔ علم کی گہرائی اور گیرائی میں اضافہ ہوتا ہے' انسانی زندگی کے نئے گوشے روشن ہوتے ہیں' عقدے وا ہوتے ہیں' گرہیں کھلتی ہیں' فکر و دانش نئی شاہراہوں پر بڑھتی ہے۔ یہ بڑی قیمتی چیز ہے جو صدیوں سے

ہمارے یہاں مفقود رہی ہے۔ ہم اندھی تقلید میں مبتلا ہو کر عصر حاضر کے چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت کھو چکے ہیں۔ خیالات کی جکڑ بندیوں Regimentation of Thought کی وجہ سے بڑی بڑی تحریکیں اپنے حصار میں بند ہو کر رہ گئی ہیں اور آگے بڑھنے کی صلاحیت سے عاری ہو چکی ہیں۔

اسی حریت فکر کا نتیجہ ہے کہ مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے اپنے استاد امام مولانا فراہیؒ سے بعض امور میں اختلاف کیا ہے۔ انھوں نے اپنی مایہ ناز تفسیر تدبر قرآن میں متعدد مقامات پر اپنے گرامی قدر استاد کی رائے سے اختلاف کیا مگر جہاں جہاں انھوں نے اختلاف کیا ہے وہاں اپنے استاد کی رائے اور ان کے دلائل نقل کرنے کے بعد اپنے اختلافی دلائل بڑے مودبانہ انداز میں واضح کر دیے ہیں۔ حریت فکر کی یہ شمع خالد مسعود صاحب نے بھی روشن رکھی اور اپنے جلیل القدر استاد مولانا اصلاحیؒ سے جن سے انھیں بڑی محبت اور عقیدت تھی بعض معاملات میں اختلاف کیا ہے۔ درس قرآن کے دوران مولانا کی رائے اور ان کے دلائل دینے کے بعد اپنی رائے اور اس کی وجوہ واضح کرتے رہے ہیں۔

حضور یار بھی آنسو نکل ہی آتے ہیں
کچھ اختلاف کے پہلو نکل ہی آتے ہیں

یہ حریت فکر ہی کا نتیجہ ہے کہ مولانا فراہیؒ نے علمی کام جہاں چھوڑا تھا اس کو مولانا اصلاحی نے آگے بڑھایا اور مولانا اصلاحی نے جہاں تک کام کیا تھا خالد مسعود صاحب اس کو مزید آگے لے گئے۔ اب یہ ہمارا اور آپ کا کام ہے کہ حریت فکر کی اس شمع کو روشن رکھیں اور علمی و تحقیقی کام کو مزید آگے بڑھائیں کیونکہ کرنے کا کام ابھی بہت ہے۔ مولانا اصلاحیؒ نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ ہم نے تو ابھی راستے کا کوڑا صاف کیا ہے۔

سیرت رسولؐ:

آنحضورؐ کی سیرت پر سینکڑوں کتب لکھی جا چکی ہیں اور لکھی جاتی رہیں گی۔ مسلمان اس پر لکھنا اپنی سعادت اور اس کو توشۂ آخرت سمجھتے ہیں۔ اب تک جتنی کتابیں شائع ہوئی ہیں ان میں سے بیشتر کا انحصار روایات پر ہے جیسی بھی روایت ملی اس کو نقل کر دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مستشرقین کو حضورؐ کی ذات اقدس پر اعتراضات کا موقع مل گیا۔ بدقسمتی سے انھوں نے اعتراضات کے لئے بنیادی مواد ہماری ہی کتابوں سے اخذ کیا ہے۔ روایات کو بلا تحقیق قبول کرنے کی نمایاں مثال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کم سنی کی شادی کی روایت ہے۔ ہمارے محترم سیرت نگاروں نے ان روایات کی تاویل کرنے میں تو سارا زور قلم صرف کر دیا ہے لیکن ان کی تحقیق کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ مزید برآں ہمارے سیرت نگاروں کے سامنے مختلف مقاصد رہے ہیں۔ بعض بزرگوں نے حضورؐ کے ذاتی کوائف جمع

رہے ہیں۔ بعض کتابوں میں آپؐ کو ہر پہلو سے انسان کامل کی حیثیت سے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے بعضوں نے آپؐ کو داعی اور معلم کی حیثیت سے پیش کیا ہے' کسی سیرت نگار نے آپؐ کو بہترین عسکری سپہ سالار کی حیثیت سے نمایاں کیا ہے تو دوسرے نے آپؐ کو تحریک اسلامی کا رہنما بنا دیا ہے' لیکن اب تک قرآن مجید کی روشنی میں حضورؐ کی سیرت نہیں لکھی گئی تھی۔ رسول اللہ کی سیرت کلام اللہ کی روشنی میں لکھنے کی اشد ضرورت تھی۔ یہ عظیم الشان کارنامہ خالد مسعودؒ نے اپنی آخری عمر میں بیماری کے دوران حیات رسول امی لکھ کر انجام دیا ہے۔ یہ بڑی قیمتی کتاب ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ انھوں نے روایات کو چھان پھٹک کر لیا ہے اور جن روایات کو قبول نہیں کیا ان کو نظر انداز کرنے کی وجوہ بھی بیان کر دی ہیں۔ انھوں نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں لکھا ہے

> "اس میں شک نہیں کہ اللہ کا رسولؐ ایک کامل انسان ہوتا ہے۔ وہ داعی بھی ہوتا ہے اور مصلح بھی' ضرورت پڑنے پر اسے جنگیں بھی لڑنا پڑتی ہیں' اور وہ ان میں کوئی کمزوری نہیں دکھاتا۔ وہ بہترین معلم بھی ہوتا ہے اور منصف بھی۔ اس کو سیاسی فیصلے بھی کرنے پڑتے ہیں' لیکن اس کو جو چیز دوسرے انسانوں سے ممتاز کرتی ہے وہ اس کا مہبط وحی' حامل کتاب اللہ اور لوگوں کی طرف اللہ کا رسول ہوتا ہے"۔

جناب خالد مسعودؒ نے اس کتاب میں بہت سی معروف روایات کو قبول نہیں کیا اور ان کا سقم واضح کر کے ان سے صرف نظر کیا ہے۔ مثال کے طور پر حضرت خدیجہؓ کی حضورؐ سے شادی کے وقت عمر' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کم سنی میں شادی' بنو ہاشم کا مقاطعہ اور غزوات اور دوسرے واقعات کے متعلق روایات ہیں۔ غزوات کا صحیح پس منظر پیش کیا ہے اور واقعات کو قرآن کی روشنی میں واضح کر دیا ہے۔ خاص طور پر فتح مکہ کی تیاریوں اور روانگی کو اخفا میں رکھنے کی روایات کا محاکمہ کر کے انھوں نے بتایا ہے کہ اس میں کوئی رازداری نہیں تھی' مجاہدین کو منزل کا پورا علم تھا اور انھیں پورا طریقہ کار بتا دیا گیا تھا۔ حیات رسول امیؐ بڑی تحقیقی اور نادر کتاب ہے۔ بعض اہل علم کے مطابق اس سے قرآن مجید کی بعض آیات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ کتاب پر تبصرہ ایک الگ طویل مقالے کا متقاضی ہے۔ ان بے شمار خوبیوں کے باوجود اس میں بعض پہلو تشنہ رہ گئے ہیں۔ مثلاً ختم نبوت کے باب کو مزید مدلل کرنے کی ضرورت ہے' ازواج مطہرات کا باب مزید تفصیلات کا متقاضی ہے۔ مولانا خالد مسعودؒ نے سیرت پر تحقیقی کام کرنے کے لئے نشانات راہ متعین کر دیے ہیں۔ اب یہ ہمارا اور آپ کا کام ہے کہ اس اہم کام کو آگے بڑھائیں۔ ضرورت ہے کہ اہل لوگ میدان میں اتریں اور مسلمانوں کی تاریخ میں غلط سلط روایات کے طومار کی تحقیق کر کے اس کی از سر نو تدوین کریں۔ اس وقت تک مسلمانوں کی جو تاریخ لکھی گئی ہے اس کی بنا پر مغرب تو ایک طرف رہا خود ہمارے اپنے نوجوانوں کو اپنی ملت کے افسانوں سے بوئے خون آتی ہے۔

ذاتی اوصاف:

برادر عزیز مولانا خالد مسعودؒ سے میری ملاقات غالباً ۱۹۵۳ء میں ہوئی تھی جب وہ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ میں پڑھتے تھے۔ میں بھی وہیں زیر تعلیم تھا۔ نصف صدی کے اس قصہ کو چند لفظوں میں سمیٹنا مشکل نظر آتا ہے۔ ان سے میری دوستی بھی ان ہی کی محبت کا نتیجہ تھی۔ میں تو آئینہ سے بھی ڈرنے والا شخص ہوں' لیکن وہ مجھ سے برابر ملتے رہے آخر کار ہمارے دل بھی مل گئے

آدمی آدمی سے ملتا ہے
دل مگر کم کسی سے ملتا ہے

جناب خالد مسعودؒ کو انگریزی' فارسی' اردو اور عربی زبان پر مکمل عبور حاصل تھا۔ وہ کلام عرب کے مطالعہ اور قرآن پر تدبر سے عربی کے اسرار و رموز کے رازداں بن گئے تھے۔ انھوں نے نہ صرف یہ کہ عرب کے جاہلی کلام کا گہرا مطالعہ کیا تھا بلکہ عربوں کے رسوم و رواج' عادات و اطوار' تہذیب و تمدن کا بھی گہرا مطالعہ کیا تھا۔ اب وہ اسالیب قرآن مرتب کرنے کا کام کر رہے تھے۔ اس سلسلہ میں کچھ کام مولانا فراہی کر گئے تھے۔ خالد مسعود صاحب نے آسمانی صحیفوں کا بھی وسیع مطالعہ کیا تھا انھوں نے اپنی سیرت کی کتاب میں آسمانی صحیفوں میں حضورؐ کے متعلق پیشین گوئیوں کو جمع کر دیا ہے۔ وہ اردو زبان کے شعر و ادب کا بھی نفیس ذوق رکھتے تھے۔ ان کا مطالعہ بڑا وسیع تھا جس کا اظہار ان کے درس اور گفتگو میں ہوتا رہتا تھا۔

برادر عزیز خالد مسعود صاحب کو میں نے خلوت اور جلوت ہر رنگ میں دیکھا ہے۔ میں نے انھیں ہر موقع پر پاک دل و پاکباز پایا۔ وہ اپنی ذات میں انجمن تھے اور طاؤس کی طرح اپنا باغ و چمن اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

مرحوم عالم باعمل تھے۔ ہمارے یہاں بڑے بڑے اہل علم ایسے بھی ہیں جو اسلام کی شان میں بڑی دھواں دھار اور مدلل تقاریر کرتے ہیں' مگر افسوس ہے کہ ان کا یہ علم ان کے حلق سے نیچے نہیں اترتا وہ صرف گفتار کے غازی ہوتے ہیں لیکن خالد مسعود صاحب کا علم ان کے رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا اور اس کا ان کی عملی زندگی پر بڑا گہرا اثر تھا۔ خالد مسعود صاحب بڑے صابر و شاکر انسان تھے۔ مشکل حالات میں بھی صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے اس اعتبار سے بھی وہ بندۂ مومن تھے۔ وہ قناعت کی دولت سے مالا مال تھے۔ میں نے انھیں ہمیشہ ہر حال میں مطمئن پایا۔ وہ قلب مطمئنہ رکھتے تھے۔ کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آتا تو ہنس کر گزار دیتے۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ ان میں کوئی خامی اور کمزوری نہیں تھی ان میں بشری کمزوریاں موجود تھیں لیکن انھوں نے ان پر قابو پا لیا تھا۔ وہ سخت سے سخت تنقید بھی خندہ پیشانی سے برداشت کر لیتے تھے۔ برادر عزیز خوش خوراک' خوش لباس' خوش خصال' خوش اطوار

اور خوش گفتار تھے۔ جگر نے کہا ہے:

سبزہ و گل، موج دریا، انجم و خورشید و ماہ
اک تعلق سب سے ہے لیکن رقیبانہ مجھے

لیکن خالد مسعود صاحب کا سب سے تعلق رفیقانہ تھا، کسی سے مشفقانہ، کسی سے مخبانہ رہا ہے۔ ہمارے ساتھ برادرانہ تعلق تھا اور عام لوگوں سے ہمدردانہ تھا۔ مختصر طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ زمین کا نمک تھے اس وجہ سے نہیں کہ ان کا گاؤں للّٰہ کھیوڑہ کے دامن میں واقع ہے بلکہ اپنے علم اور بے داغ کردار کی وجہ سے وہ زمین کا نمک کہلانے کے مستحق ہیں۔

مولانا اصلاحیؒ پہلے کہا کرتے تھے کہ وہ عقلی انسان ہیں بعد میں کہا کرتے کہ وہ فطری انسان ہیں۔ خالد مسعود صاحب نے اپنے متعلق اس قسم کی کوئی بات نہیں کہی، لیکن میں اتنا ضرور کہوں گا کہ ان کی عقل مستقیم اور فطرت سلیم تھی یہی وجہ ہے کہ انھیں صراط مستقیم مل گئی۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے

ایک خاص رشتہ

مولانا خالد مسعودؒ کے لیے مدرسہ کی مسجد میں نمازوں کے بعد اجتماعی دعا کا اہتمام کیا گیا اور ہم اس کے لیے بجز دعا کے کر ہی کیا سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہماری دعاؤں کو شرف قبولیت بخشے، مرحوم کی مغفرت فرمائے اور جملہ متعلقین کو صبر کی دولت سے نوازے..... آمین۔ مولانا خالد مسعود مرحوم سے میرا ایک خاص رشتہ یہ بھی تھا کہ ہم دونوں استاذ محترم مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے شاگرد تھے۔ اللہ تعالیٰ دونوں مرحومین کو جنت کے اعلیٰ مقام پر فائز کرے۔ آمین۔

(شریک غم ..... عبدالرحمٰن ناصر اصلاحی، جامعتی، مدرسۃ الاصلاح، بھارت)

حیاتِ رسولِ امی کا منہجِ تحقیق

نعیم احمد بلوچ

تمام مفسرین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ سورہ الم نشرح مکہ میں اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ کی طرف سے اللہ کے پیغام کی بے قدری پر بہت ملول تھے۔ اس موقع پر آپ کی تسلی اور دلجوئی کے لیے سورہ الم نشرح نازل ہوئی۔ اس سورہ کی ایک آیت ہے: وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (اور ہم نے تمھارا بول بالا کر دیا) ان حالات میں یہ ایک عظیم پیشین گوئی تھی کہ اے پیغمبر موجودہ مایوس کن حالات سے دل برداشتہ نہ ہوں' عنقریب پورے عالم عرب میں آپ کا چرچا ہو کر رہے گا۔ یہ پیشین گوئی اس شان سے پوری ہوئی کہ آپ کی زندگی ہی میں آپ کی شہرت و عظمت کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ آج تک جاری ہے۔ اس کی ایک کڑی آپ پر لکھی جانے والی کتب ہیں جو اس تسلسل سے لکھی جا رہی ہیں کہ یہی معلوم ہوتا ہے آپ ہر دور کی سب سے معروف ہستی ہیں۔

اردو زبان میں لکھی جانے والی سیرت کی کتب میں حالیہ اضافہ مرحوم خالد مسعود کی کتاب حیات رسول امی ہے جو کہ اب تک لکھی جانے والی ان گنت کتب میں ایک منفرد کوشش ہے۔ دراصل حیات رسول امی فکر فراہی کی روشنی میں لکھی جانے والی اولین کوشش ہے اور فکر فراہی کو اگر اجمال کے ساتھ بیان کرنا ہو تو وہ یہ ہے کہ اسلامی علوم قرآن مجید کی حاکمیت کے تحت ہوں یعنی حدیث و فقہ' سیرت و تاریخ اور تصوف و فلسفہ کو قرآن مجید ہی کی روشنی میں دیکھا جائے' لیکن مسئلہ یہ ہے کہ یہ بات بیان کرنے میں بظاہر ایک سادہ اور اصولی سی ہے مگر جب اس کے عملی اطلاق کی نوبت آتی ہے تو روایتی علوم کی بقا خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ چنانچہ اس اصول کو بنیاد بنا کر اسلامی علوم کی طرح ڈالنا ہرگز کوئی آسان کام نہ تھا۔ لیکن امام فراہیؒ نے اس حقیقت کو جاننے کے بعد اس کے تقاضوں کو بخوبی نبھایا۔ انھی کی رہنمائی میں مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے تدبر قرآن لکھی تو ظاہر بینوں کو "تفردات اصلاحی" کی فہرست بنانا پڑی اور اب سیرت کو قرآن کی روشنی میں مولانا خالد مسعود نے مرتب کیا تو اس میں بھی صدیوں سے متفق علیہ واقعات نئی

ذکل اختیار کرتے ہوئے نظر آئے۔

ہم اپنی بات کو ایک مثال سے بیان کرتے ہیں جس سے ہمارے پیش نظر یہ واضح کرنا ہے کہ قرآن مجید کو بنیاد بنانے سے روایتی علوم پر کیا اثر پڑتا ہے اور اس سے کس طرح کے حقائق سامنے آتے ہیں۔ اس سے خود بخود یہ بات بھی ہمیں معلوم ہو جائے گی کہ مولانا خالد مسعود کی لکھی سیرت کی اس کتاب کو ہم کس پائے کی کتاب قرار دے سکتے ہیں۔

غزوہ بدر میں عبرت ناک شکست کے بعد جب کفار مکہ کے ستر آدمی قیدی بنا لیے گئے تو ان کے ساتھ فدیے کا معاملہ کیا گیا۔ اس ضمن میں الرحیق المختوم کے مصنف مولانا صفی الرحمان مبارک پوری کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ اس موقع پر حضرت ابو بکرؓ کا مشورہ یہ تھا: ''یہ لوگ چچیرے بھائی اور کنبے قبیلے کے لوگ ہیں۔ میری رائے ہے کہ آپ ان سے فدیہ لے لیں۔ اس طرح جو کچھ ہم لیں گے وہ کفار کے خلاف ہماری قوت کا ذریعہ ہوگا۔ اور یہ بھی متوقع ہے کہ اللہ انھیں ہدایت دے دے اور یہ ہمارے بازو بن جائیں۔'' (ص 313)

اس کے برعکس حضرت عمرؓ نے یہ مشورہ دیا کہ چونکہ یہ مشرکین کے قائدین ہیں اس لیے ان قیدیوں کو ان کے اہل ایمان رشتے داروں کے حوالے کر دیا جائے تا کہ وہ ان کی گردنیں مار دیں۔ حضرت عمرؓ کا منشا یہ تھا کہ اس سے ایمان کی آزمائش بھی ہو جائے گی اور قبائلی دشمنی کا اندیشہ بھی نہیں ہوگا۔

اس کے بعد کیا ہوا یہ صاحب الرحیق المختوم ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکرؓ کی بات پسند فرمائی اور میری بات پسند نہیں فرمائی، چنانچہ قیدیوں سے فدیہ لینا طے کر لیا۔ اس کے بعد جب اگلا دن آیا تو میں صبح صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ دونوں رو رہے تھے۔ میں نے کہا: ''اے اللہ کے رسولؐ! مجھے بتائیں آپؐ اور آپؐ کے ساتھی کیوں رو رہے ہیں؟'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''فدیہ قبول کرنے کی وجہ سے تمھارے اصحاب پر جو چیز پیش کی گئی ہے اسی وجہ سے رو رہا ہوں''۔ آپؐ نے ایک قریبی درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''مجھ پر ان کا عذاب اس درخت سے بھی زیادہ قریب پیش کیا گیا اور اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

(سورہ انفال 67-68)

''کسی نبی کے لیے درست نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں یہاں تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح خون ریزی کر لے۔ تم لوگ دنیا کا سامان چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ اگر اللہ کی طرف نوشتہ سبقت نہ کر چکا ہوتا تو لوگوں نے جو کچھ لیا ہے اس پر تم کو سخت عذاب پکڑ لیتا''۔

اور اللہ کی طرف سے جو نوشتہ سبقت کیا جا چکا تھا وہ یہ تھا: ''فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً۔ (سورہ محمد ۴) یعنی

مشرکین کو جنگ میں قید کرنے کے بعد یا تو احسان کرو یا فدیہ لے لو"۔

چونکہ اس نوشتے میں قیدیوں سے فدیہ لینے کی اجازت دی گئی ہے اس لیے صحابہ کرامؓ کو قبول فدیہ پر سزا نہیں دی گئی بلکہ صرف سرزنش کی گئی اور یہ بھی اس لیے کہ انھوں نے کفار کو اچھی طرح کچلنے سے پہلے قیدی بنا لیا تھا' اور اس لیے بھی کہ انھوں نے ایسے ایسے مجرمین جنگ سے فدیہ لینا قبول کر لیا تھا جو صرف جنگی قیدی نہ تھے بلکہ جنگ کے ایسے اکابر مجرمین تھے جنھیں قانون بھی مقدمہ چلائے بغیر نہیں چھوڑتا' اور جن کے متعلق مقدمہ کا فیصلہ عموماً سزائے موت یا عمر قید کی صورت میں نمودار ہوتا ہے"۔ الرحیق المختوم (ص ۳۱۲۔۳۱۳)

علامہ شبلی نعمانی نے اپنی کتاب سیرت النبی میں اس موضوع پر وہی روایات دہرائی ہیں جو الرحیق المختوم کے حوالے سے اوپر بیان کی گئی ہیں۔ البتہ شبلی نعمانی کا کہنا ہے کہ عتاب کی وجہ قیدیوں کی جان بخشی کر کے ان سے فدیہ لینا نہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"یہ روایت (حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ سے مشورے کی) تمام تاریخوں میں مذکور اور احادیث میں بھی موجود ہے' لیکن سبب عتاب کے بیان میں اختلاف ہے۔ ترمذی میں جو روایت ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ اس وقت تک مال غنیمت کے متعلق احکام نہیں آئے تھے۔ عرب کے عام دستور کے موافق صحابہؓ غنیمت میں مصروف ہو گئے۔ اس پر عتاب آیا لیکن چونکہ اس کے متعلق پہلے کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا اس لیے یہ جرم معاف کر دیا اور حکم دیا گیا کہ مال غنیمت جو ہاتھ آ چکا' حلال ہے۔ قرآن مجید میں عتاب کے بعد یہ الفاظ ہیں۔ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا (انفال۔ ۹) تو جو تم نے لوٹا ہے اب کھاؤ کہ حلال طیب ہے۔ اس آیت میں صاف تصریح ہے کہ مال جو ہاتھ آیا تھا وہ حلال کر دیا گیا اور وہ مال غنیمت تھا۔ غرض صحیح مسلم اور ترمذی دونوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عتاب فدیہ لینے یا مال غنیمت کے لوٹنے پر تھا۔ صحیح مسلم میں یہ الفاظ ہیں کہ عتاب کی آیت نازل ہوئی تو آپ رونے لگے اور جب حضرت عمرؓ نے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: تمھارے ساتھیوں نے جو فدیہ لیا اس پر جو خدا کی طرف سے پیش کیا گیا اس پر رو رہا ہوں"۔ عموماً لوگوں نے غلط فہمی سے یہ سمجھا ہے کہ عتاب اس پر آیا کہ اسیران جنگ کو قتل کیوں نہیں کر ڈالا۔ چنانچہ لوگوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے "کسی نبی کو یہ مناسب نہیں کہ بغیر اچھی طرح خون ریزی کر کے لوگوں کو قیدی بنائے۔ (انفال ۹)

لیکن اس آیت کا صرف یہ ماحصل ہے کہ میدان جنگ میں جب تک کافی خون ریزی نہ ہو چکے' قیدی بنانا مناسب نہیں۔ اس سے یہ کیونکر ثابت ہو سکتا ہے کہ اگر خون ریزی سے پہلے گرفتار کر لیے گئے تو لڑائی کے بعد بھی وہ قتل کیے جا سکتے ہیں"۔ (سیرت النبی جلد اول ص ۱۹۲ طبع مکتبہ مدینہ لاہور)

مولانا ابو الاعلیٰ مودودیؒ نے تفہیم القرآن میں شبلی نعمانی ہی کی موافقت اختیار کی ہے اور تسلیم کیا ہے کہ حضورؐ

کی طرف عتاب کی نسبت بڑی سخت بات ہے چنانچہ اخبار آحاد کی بنیاد پر ایسی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ علاوہ ازیں انھوں نے امام جصاص کی کتاب احکام القرآن کا بھی حوالہ دیا ہے کہ وہ اس رائے کو قابل لحاظ سمجھتے ہیں کہ سورہ انفال کی ان آیات میں عتاب صحابہ کرام پر کیا گیا ہے کہ انھوں نے قیدیوں کو قتل کرنے کے بجائے انھیں قیدی بنایا۔ مولانا مودودی نے سیرت ابن ہشام کی ایک اور روایت کو بھی دلیل بنایا کہ مال غنیمت پر صحابہ کرام کے لوٹنے کے انداز پر سعد بن معاذؓ کے چہرے پر ناگواری دیکھ کر حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ اے سعد' معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی یہ کارروائی تمھیں پسند نہیں آرہی ہے"۔ انھوں نے عرض کی: "جی ہاں یارسول اللہ' یہ پہلا معرکہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اہل شرک کو شکست دلوائی ہے' اس موقع پر انھیں قیدی بناکر ان کی جانیں بچالینے سے زیادہ بہتر یہ تھا کہ ان کو خوب کچل ڈالا جاتا۔ (تفہیم القرآن' جلد دوم ص 161-160)

یہ ہے زیر بحث موضوع پر قابل ذکر آرا کا خلاصہ۔ ان سب آرا میں ایک بات مشترک ہے۔ وہ یہ کہ یہ جان لینے کے بعد بھی کہ سورہ محمد جو کہ غزوہ بدر کے بعد نازل ہوئی' اور اس میں قیدیوں کے بارے میں واضح حکم ہے' روایات ہی کو تسلیم کیا گیا اور انھی کی روشنی میں سورہ انفال کی آیات ۶۷ تا ۷۱ کی تاویل کی گئی۔ علامہ شبلی نعمانی اور مولانا مودودیؒ نے قدرے مختلف رائے اختیار کی لیکن ان کی رائے خود اس مفہوم کے خلاف ہے جو انھوں نے متذکرہ آیات کا ترجمہ کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔ مولانا مودودیؒ نے متذکرہ آیات کا ترجمہ اس طرح کیا ہے: "کسی نبی کے لیے زیبا نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ وہ زمین میں دشمنوں کو اچھی طرح کچل نہ دے۔ تم لوگ دنیا کے فائدے چاہتے ہو' حالانکہ اللہ کے پیش نظر آخرت ہے اور اللہ غالب اور حکیم ہے۔ اگر اللہ کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جاچکا ہوتا تو جو کچھ تم لوگوں نے لیا ہے اس کی پاداش میں تم کو بڑی سزا دی جاتی۔ پس جو کچھ تم نے مال حاصل کیا ہے اسے کھاؤ کہ وہ حلال اور پاک ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ یقیناً اللہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

(تفہیم القرآن' جلد دوم ص۔ ۱۵۹)

سوال یہ ہے کہ اگر متذکرہ آیت میں مخاطب اللہ کے رسول اور ان کے صحابہ ہیں اور پھر عتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شامل نہ کرنا (نعوذ باللہ) کیسے درست ہوسکتا ہے؟ دراصل روایات کو پیش نظر رکھ کر ان آیات کی درج بالا تاویل ہی ممکن ہے لیکن اگر قرآن ہی کو سامنے رکھا جائے اور نظم کلام کا لحاظ رکھا جائے تو متذکرہ بالا مفہوم کسی طور بھی اخذ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ:

"مَا كَانَ" کا اسلوب بیان الزام اور رفع الزام دونوں کے لیے قرآن مجید میں آیا ہے اور قرآن مجید اللہ کے پیغمبروں پر الزام نہیں لگاتا بلکہ اسے رفع کرتا ہے لہٰذا یہاں رفع الزام ہی کا مفہوم لیا جائے گا۔ مثلاً سورہ آل عمران آیت ۱۶۱ میں ہے: مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۭ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (اور کسی نبی کو یہ زیبا

نہیں کہ وہ خیانت کرے گا جو خیانت کرے۔ وہ قیامت کے دن اپنی خیانت کے ساتھ حاضر ہوگا) اسی طرح آل عمران ہی کی آیت ۷۹ میں ارشاد ربانی ہے: کسی انسان کو یہ زیبا نہیں کہ اللہ اس کو کتاب' قوت فیصلہ اور منصب نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں کو یہ دعوت دے کہ لوگو اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔

چنانچہ آیت زیر بحث میں قرآن کے اسلوب کو پیش نظر رکھنے سے یہی مفہوم سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ پر مشرکین مکہ کے اس الزام کو رفع کیا کہ وہ ہوس اقتدار میں مبتلا ہیں' قوم میں خون ریزی کے ذمہ دار ہیں' اپنے بھائیوں کو قید کرتے ہیں اور ان کا مال لوٹتے ہیں۔

قرآن مجید کا اسلوب ایک اعلیٰ خطیب کی تقریر کا اسلوب ہے اور خطیب اپنے مخاطبین میں سے جس سے چاہتا ہے خطاب کرتا ہے اور ایک ہی جملے میں اس کی ضمیروں کا مرجع مختلف ہو سکتا ہے۔ اس کی بہترین مثال سورہ یوسف کی آیت ۲۹ ہے: یوسف تم اس سے اعراض کرو' اور تم (زلیخا) اپنے گناہ کی مغفرت چاہو' بے شک تو ہی خطا کاروں میں سے ہے۔ لہٰذا یہ ضروری نہیں کہ ہم "تریدون عرض الدنیا" اور "فکلوا مما غنمتم" میں دونوں کا مخاطب ایک ہی یعنی صحابہؓ اور رسول اکرمؐ کو مانیں بلکہ سیاق کلام دلیل ہے کہ یہاں کفار کے سوا کوئی اہل ایمان ان کا مخاطب ہو ہی نہیں سکتا لیکن اگر ذہن روایات میں الجھا ہو تو آدمی اس کی بھی پروا نہیں کرتا کہ اللہ محمد رسول اللہ اور صدیق اکبرؓ پر عتاب کرے گا تو پھر باقی کون بچے گا؟ مزید یہ کہ "لولا کتب من اللہ" کفار اور منافقین پر عتاب کرنے کا قرآن کا مخصوص اسلوب ہے' اس کا مخاطب نعوذ باللہ صحابہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار نہیں دیا جا سکتا۔

چنانچہ ان حقائق کی موجودگی میں مولانا خالد مسعودؒ اسیران غزوہ بدر کے معاملے کو قرآن مجید ہی کی روشنی میں دیکھتے ہیں اور وہ روایات کو قرآن کے خلاف قرار دیتے ہیں۔ زیر بحث آیات کا ترجمہ انھوں نے اپنی کتاب میں اس طرح کیا ہے:

"کوئی نبی اس بات کا روادار نہیں ہوتا کہ اس کو قیدی ہاتھ آئیں یہاں تک کہ وہ اس کے لیے ملک میں خون ریزی برپا کر دے۔ یہ تم (کفار) ہو جو دنیا کے سروسامان کے طالب ہو' اللہ تو آخرت چاہتا ہے اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ اگر اللہ کا نوشتہ پہلے سے موجود نہ ہوتا تو جو روش تم نے اختیار کی اس کے باعث تم پر ایک عذاب عظیم آدھمکتا۔ پس (اے مسلمانو) جو مال غنیمت تم نے حاصل کیا اس کو حلال وطیب سمجھ کر کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔ اے نبی! تمھارے قبضے میں جو قیدی ہیں ان سے کہہ دو کہ اگر اللہ تمھارے دلوں میں کوئی بھلائی پائے گا تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے' اس سے بہتر وہ تم کو عطا فرمائے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے اور اگر تم سے یہ بدعہدی کریں گے تو اس سے پہلے انھوں نے خدا سے بدعہدی کی تو خدا نے تم

کو ان پر قابو دے دیا۔ اور اللہ علم والا اور حکمت والا ہے''۔ (ص ۳۴۴)

ان آیات کی روشنی میں وہ زیر بحث معاملے کو اس طرح دیکھتے ہیں کہ غزوہ بدر میں جب مسلمانوں کے ہاتھوں کفار کو عبرت ناک شکست ہوئی تو کفار نے یہ شور مچایا کہ یہ کیسے اللہ کے رسول ہیں جو جنگیں لڑتے ہیں۔ اپنے ہم قبیلہ بھائیوں کو قید کرتے ہیں۔ ان کا مال لوٹتے ہیں اللہ کے پیغمبر تو صرف عبادت وغیرہ میں مصروف رہتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید نے غزوہ بدر سے ملتی جلتی جنگ کا حوالہ دے کر انھیں بتایا کہ اس سے قبل حضرت داؤد علیہ السلام نے بھی جالوت کو قتل کیا اور زمین کو فساد سے پاک کیا۔ (بقرہ ۲۵۱۔۲۵۰) لہٰذا اللہ کا طریقہ یہی رہا ہے کہ وہ زمین پر فساد مچانے والوں کو ختم کرتا رہتا ہے۔ اور اس مقصد کے لیے لڑی جانے والی جنگ کے ذمے دار وہی لوگ ہوتے ہیں جو فساد مچاتے ہیں۔ لہٰذا اس زہریلے پراپیگنڈے کو ختم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے کفار سے کہا کہ اللہ کے نبی کی یہ شان کے خلاف ہے وہ محض دنیا حاصل کرنے کے لیے خون ریزی کرے۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو اس کے ذمہ دار تمہارے جیسے فسادی ہیں جنھوں نے اللہ کے رسول کو اس کے گھر سے نکالا' اللہ کا نام لینے والوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا اور ظلم و ستم کی ہر صورت ان پر روا رکھی۔ ایسے فسادیوں اور شرانگیزوں کے لیے اللہ نے اپنا یہ قانون مقرر کر رکھا ہے کہ وہ ایک مقررہ مہلت کے بعد ان پر اپنا عذاب نازل کر ڈالتا ہے۔ لہٰذا دنیا کے طالب ہمارے رسول اور اس کے ساتھی نہیں' تم ہو اور اگر تمھاری مہلت کے دن ابھی باقی نہ ہوتے تو تم سب کافروں کو غزوہ بدر سے اگلا دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ پھر مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے انھیں تسلی دی گئی کہ تم ان کفار کے پراپیگنڈے کا کوئی اثر قبول نہ کرو اور ان سے حاصل کردہ مال غنیمت کو حلال وطیب سمجھ کر کھاؤ اور اللہ سے تقویٰ کی روش کو جاری رکھو۔ پھر اللہ کے رسول سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ان قیدیوں سے بھی کہہ دیں کہ اگر وہ ایمان قبول کر کے توبہ کر لیں گے تو جو مال ان سے لیا گیا ہے' اللہ اس سے بہتر انھیں عطا کرے گا' لیکن اگر انھوں نے بدعہدی کی تو وہ دوبارہ اسی طرح بندھے ہوئے اونٹوں کی طرح اہل ایمان کے قابو میں دے دیے جائیں گے (خلاصہ مضمون۔ ۳۴۲ تا ۳۴۵)

زیر بحث مسئلے کو قرآن کی نظر سے پیش کر کے مولانا خالد مسعودؒ نے پیش آنے والی ان تمام الجھنوں کو ختم کر دیا کہ:

1- سورہ محمدؐ کی آیت ۴ میں قیدیوں کو فدیہ یا احسان سے رہا کر دینے کی ہدایت کے بعد حضورؐ نے صحابہؓ سے اس معاملے میں کیوں مشورہ کیا؟ اللہ کا واضح حکم آ جانے کے بعد نبی اس پر عمل کرتا ہے یا اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرتا ہے؟

2- سنت اللہ یہ ہے کہ جو حکم اللہ کے منشاء کے خلاف ہوتا ہے' اللہ وحی کے ذریعے اس پر عمل درآمد کو روک دیتا ہے' لہٰذا اگر قیدیوں کو رہا کرنا اللہ کے منشاء کے خلاف تھا تو اللہ نے اس سے اپنے رسول کو روک کیوں نہ دیا؟

3- یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول اور نبی کے قریبی ساتھیوں کو اسی اسلوب میں عذاب کی

دھمکی دے جو صرف کفار اور منافقین ہی کے ساتھ خاص ہے!

4. غزوہ احد میں مسلمانوں نے غلطی کی تو ان کو بھرپور سزا ملی' اگر غزوہ بدر میں بھی وہ کفار کو مارنے کے بجائے ان کا مالِ غنیمت اکٹھا کرنے میں مصروف ہو گئے تھے تو ان کو سزا کیوں نہ دی گئی؟

5. صحابہ کرامؓ اگر مال غنیمت کے متمنی ہوتے تو ابو سفیان کے قافلے کو کھو دینے کے بعد واپس مدینہ چلے جانے پر اصرار کرتے' لیکن وہ تین سو تیرہ ہونے کے باوجود انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں بھی اللہ کے رسول کے حکم پر کفار سے لڑ گئے۔ کیا یہ مال غنیمت اکٹھا کرنے والوں کا شیوہ ہوتا ہے؟

6. قرآن نے سورہ انفال میں ہر جگہ صحابہؓ کے اس جذبے کی تحسین کی ہے اور فرمایا کہ ہمارے فرشتے تمھارے ساتھ لڑ رہے تھے' پھر یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ اچانک اللہ تعالیٰ نے حضورؐ اور اس کے صحابہ پر عتاب نازل کرنے کی دھمکی دے دی! اور کیا فرشتے بھی مال غنیمت اکٹھا کرنے لگ گئے تھے اور انھوں نے کفار کو مارنا بند کر دیا تھا؟

''حیات رسول امیؐ'' میں ایسے متعدد مقامات میں جن کو مولانا خالد مسعودؒ نے قرآن کی روشنی میں لکھا ہے اور ذہنوں میں پیدا ہونے والے ان گنت سوالات و اشکالات کو رفع کیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے سیرت کو قرآن مجید کی روشنی میں دیکھنے کی اس روشن روایت کو برقرار رکھا جائے۔

تفسیر تدبر قرآن

تفسیر تدبر قرآن منفرد انداز میں تصنیف کی گئی ہے۔ مولانا اصلاحیؒ ہر سورہ کی تفسیر سے پہلے اس کا مرکزی مضمون یا عمود بیان کرتے اور پہلی پچھلی سورتوں کے ساتھ اس کے معنوی ربط پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اس کے بعد وہ پوری سورہ کا تجزیہ کر کے آیات کے ایسے مجموعوں کی نشان دہی کرتے جو ایک مضمون پر مشتمل ہوتی ہیں۔ پھر وہ ہر مجموعہ کو لے کر اس کی تفسیر کرتے ہیں۔ اس میں وہ ہر آیت کے مشکل الفاظ اور جملوں کی ساخت نیز اسالیب زبان کی شرح کرتے ہیں' پھر ہر آیت کا اندرونی نظم کھولتے اور آیات کے مجموعہ میں اس کا مفہوم واضح کرتے ہیں۔ اس طرح ہر آیت کا مفہوم اپنے سیاق و سباق میں متعین ہو جاتا اور پوری سورہ ایک وحدت کی صورت میں سامنے آ جاتی ہے۔ یہ طرز بیان بالکل نیا اور نہایت دل نشین ہے

(خالد مسعودؒ صاحب کی مولانا امین احسن میموریل لیکچر میں کی گئی تقریر میں سے ایک اقتباس)

اصلاحی افکار کا مشعل بردار

ڈاکٹر صاحبزادہ انوار احمد بگوی

قرآن حکیم مسلمانوں کی الہامی کتاب ہے مگر اسلامی افکار اور مسلم معاشرت میں اس کی مرکزی حیثیت اکثر و بیشتر ثانوی رہی ہے۔ اس تعارض کی بڑی وجہ قرآن فہمی کا مروجہ انداز ہے جس نے غور و فکر کی راہیں اگر بند نہیں کیں تو مسدود اور محدود ضرور کر دی ہیں۔ صدیوں سے مسلمان علماء چند مخصوص طریقوں اور بندھے اسلوب بیان کے ساتھ قرآن کی تفسیری خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں۔ تمام تر احترام اور اعتراف کے باوجود واقعہ یہ ہے کہ ان ثواب بخش مساعی سے گنجلک مطالب، مخصوص فکر کے معانی اور متعین نکتہ نظر کی تکرار کے سبب عوام اور علماء کتاب الٰہی کی برکات سے پوری طرح مستفیض نہ ہو سکے۔ چنانچہ علماء عدم تدبر و تفکر کے باعث قرآن کے انقلاب آفرین اور منفرد پیغام کو اپنے علوم و افکار میں سمو نہ سکے اور عوام ان ہدایات کو اپنی زندگیوں میں رائج نہ کر سکے۔

برصغیر پاک و ہند میں جن علماء نے قرآن حکیم پر غور کیا ہے اور اس پر تدبر و تفکر کے لئے اس کے عطا کردہ اصول فہم قرآن منضبط کئے ہیں ان میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور امام حمید الدین فراہیؒ دو ہی قابل ذکر نام نظر آتے ہیں۔ انھوں نے قرآن حکیم کو سمجھنے کے بعد اس کی روشنی میں دیگر اسلامی علوم و فنون پر بڑی عرق ریزی سے خود کام کیا ہے اور اپنے بعد میں آنے والوں کے لئے تحقیق و تلاش کی نئی راہیں وا کی ہیں۔

امام فراہیؒ اگرچہ مروجہ نصاب تعلیم سے بہرہ ور تھے تاہم انھوں نے عربی ادب اور اسلامی علوم و فنون کی کتابیں وقت کے ماہرین فن اور مشہور اساتذہ سے پڑھیں۔ قرآن سے محبت اور تحقیق و تعلیم کے شوق میں انھوں نے حیدرآباد کی پرکشش ملازمت چھوڑ دی اور انتہائی قلیل اعزازیے پر مدرسۃ الاصلاح سرائے میر (انڈیا) میں ڈیرے ڈال دیئے۔ یہاں پہنچ کر امام فراہیؒ نے درج ذیل دو کام کئے:

(الف) قرآن حکیم پر Original & Genuine تحقیق کا کام۔

(ب) قرآن حکیم پر کام کرنے کے لئے ذہین و فطین طلبہ کی تیاری۔

دوسرے اور اہم کام کے نتیجے میں فکر فراہی کے احیاء، تسلسل اور توسیع کے لئے تاریخ میں اب مولانا امین احسن اصلاحیؒ کا نام باقی ہے۔ مولانا اصلاحی نے اپنی لمبی عمر کا نصف اول اقامت دین کے لئے جماعت اسلامی کی نظر کیا۔ یہ جماعت کی محرومی تھی یا مسلمانوں کی خوش بختی کہ دونوں میں فرقت پڑی اور مولانا ہمہ تن اور ہمہ وقت شہرہ آفاق تفسیر ''تدبر قرآن'' لکھنے میں مصروف ہو گئے۔

اپنے استاذ امام کی طرح مولانا اصلاحیؒ نے بھی محسوس کیا کہ تفسیری اثاثے کی بار امانت کی منتقلی سے حق ادا نہ ہوگا۔ ضروری ہے کہ جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کو دین کی طرف راغب کیا جائے۔ انھیں قرآن سے مناسبت رکھنے والی عربی زبان و عربی ادب پڑھایا اور مطالعہ قرآن کرنے کا اسلوب سمجھایا جائے۔ اس کام کے لئے مولانا اصلاحیؒ نے ماہنامہ میثاق میں تفصیل سے لکھا اور اپنی رہائش گاہ پر ۱۹۶۲ء میں عملاً حلقہ تدبر قرآن کا آغاز کر دیا۔ علامہ خالد مسعود مرحوم اپنے زمانہ طالب علمی میں جماعت اسلامی کی ذیلی تنظیم اسلامی جمعیت طلبہ کے ناظم کی حیثیت سے مولانا اصلاحیؒ سے اچھی طرح واقف تھے۔ مولانا کا پر اثر تحریکی لٹریچر پڑھ چکے تھے اور بارہا مولانا کی تقاریر اور قرآنی دروس سن چکے تھے چنانچہ علامہ خالد مسعود حلقہ تدبر قرآن کے تاسیسی شاگردوں میں شامل ہو گئے۔

۱۹۵۹۔۶۱ء کے دوران میں گورنمنٹ کالج لاہور میں زیر تعلیم تھا اور اقبال (کواڈرینگل) ہاسٹل میں مقیم۔ علامہ مرحوم کی انڈسٹریل لیبارٹری ہاسٹل کے قریب 2۔ جینک روڈ پر واقع تھی۔ ایک روز وہ آئے اور بتایا کہ جامعہ پنجاب کے شعبہ علوم اسلامی میں مولانا امین احسن اصلاحیؒ کا لیکچر ہے۔ موضوع تھا ''قرآن کی تعلیم۔'' لیکچر کی صدارت علامہ علاؤالدین صدیقی مرحوم صدر شعبہ نے کی۔ مولانا کے ساتھ یہ میرا پہلا تعارف اور پہلا مصافحہ تھا۔ جاتے وقت میں حیران تھا کہ اتنی بڑی کتاب ہدایت کا نچوڑ مولانا کیونکر گھنٹے بھر میں بتا سکیں گے؟ میں اس لیکچر سے بہت سیراب اور متاثر لوٹا۔ جلد ہی اللہ نے سعادت بخشی۔ خالد مسعودؒ صاحب کی تحریک اور حوصلہ افزائی نے ہمت بڑھائی اور میں کنگ ایڈورڈ کالج میں داخلے کے بعد حلقہ تدبر قرآن میں شامل ہو گیا۔ عصر اور مغرب کے دوران مولانا کا درس ہوتا۔ اس دور اول کے ابتدائی شرکاء حلقہ کے نام یہ ہیں:

علامہ خالد مسعودؒ	جناب عبداللہ غلام احمد	جناب محمود احمد لودھی
جناب محمد صادق	جناب محبوب سبحانی	جناب حلیم کیانی
جناب سعید احمد	جناب محمد منصور یوسفی	جناب حمید المشرقی
جناب ماجد خاورؒ	جناب محمد احسن خان	جناب محمد انور چودھری

مولانا اصلاحیؒ کا طرز تدریس انتہائی دوستانہ، شگفتہ اور Participatory تھا۔ وہ ہر نوع کے استفسارات

اور اعتراضات بڑی خوشدلی سے سنتے۔ خود اپنے اشکال اور کسی ناسمجھی کا برملا اظہار کرتے۔ کبھی کبھی ان کے اندازِ درس سے یوں محسوس ہوتا جیسے یونانی حکیم سقراط اپنے مکالموں کے ذریعے اپنے شاگردوں سے مخاطب ہے۔ آج لوٹ کے دیکھتا ہوں تو یوں لگتا ہے کہ جیسے اس کارواں میں علامہ خالد مسعود مرحوم ہی افلاطون ثابت ہوئے! انھوں نے مولانا کا دامن بڑی مضبوطی اور استقامت سے تھامے رکھا۔ مولانا رحمان پورہ سے، رحمان آباد ضلع شیخوپورہ منتقل ہوئے تو پروانے کی طرح علامہ خالد مسعودؒ حاضر' مولانا اصلاحیؒ لاہور کی فاضلیہ کالونی گئے تو وہ وہاں موجود آخر میں مولانا نے اپنی رہائش ڈیفنس میں اپنے بیٹے جناب ابوسعید اصلاحی کے ہاں رکھ لی تو علامہ خالد مسعودؒ برابر پیش خدمت! واقعہ یہ ہے کہ علامہ کا یہ استقلال اور ان کی استقامت ان کا اثاثہ بنی اور وہ مولانا کے خزانوں سے اچھی طرح فیض یاب ہوئے اور بالآخر امین کے امین قرار پائے۔ **ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔**

علامہ خالد مسعودؒ صاحب کا تعلق للہ تحصیل پنڈدادنخان ضلع جہلم سے تھا جہاں اعوان قبیلہ کی ایک ذیلی شاخ شادھا آباد ہے۔ ایک روایت کے مطابق شادھا' اس سلسلے کے ایک بزرگ ثناء اللہ کے نام پر موسوم ہے۔ علامہ خالد مسعودؒ صاحب کے مورث اعلیٰ کا نام قاضی حسن دین تھا۔ قاضی صاحب کے دو بیٹے تھے۔ حضرت مولانا غلام نبیؒ نقشبندی جو حضرت غلام محی الدین قصوری نقشبندیؒ کے مرید اور ان کے خلیفہ تھے۔ للہ شریف کی دونوں نقشبندی گدیاں انھی کے اخلاف ہیں۔ دوسرے لڑکے حافظ قائم دین تھے۔ یہ شجرہ نسب یوں ہے:

- قاضی حسن دین مرحوم
  - حافظ قائم دین مرحوم
    - حافظ فیض محمد مرحوم
      - مولانا سیف الرحمٰن مرحوم
        - محمود الحسن
        - علامہ خالد مسعود مرحوم
  - مولانا غلام نبی مرحوم

مولانا سیف الرحمٰن عربی کے استاد اور وسیع المطالعہ عالم دین تھے۔ دوران ملازمت وہ کئی جگہوں پر تعینات رہے۔ لکھنے کا بھی شوق تھا۔ ماہنامہ شمس الاسلام بھیرہ میں تردید شیعیت کے موضوع پر ان کے مضامین چھپتے رہے ہیں۔ وہ ایک روشن خیال عالم تھے۔ مولانا ظفر علی خانؒ، مولانا مودودیؒ مولانا اصلاحیؒ اور علامہ محمود احمد عباسیؒ کے

زبردست مداح تھے۔ پیروں کے خانوادے سے تعلق کے باوجود وہ کسی سلسلۂ تصوف کے اسیر نہ تھے۔ اپنی اولاد کو بھی انھوں نے کسی خاص مسلک یا فکر کا پابند نہیں بنایا۔ والد کی ملازمت کی بنا پر خالد مسعودؒ صاحب کی تعلیم اسی طرح چل پھر کر مکمل ہوئی۔ میٹرک اور ایف ایس سی سرگودھا سے کیا۔ بی ایس سی اور ایم ایس سی (کیمسٹری) اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور سے۔ ملازمت کے بعد سال بھر کے لئے کنگز کالج لندن سے کیمیکل انجینئرنگ میں ڈپلومہ لیا۔ اس میں ایک خاص بات یہ تھی کہ ڈپلومہ کی سند کے اوپر ہی ڈیپارٹمنٹ ہیڈ نے یہ فقرہ ثبت کر دیا کہ Commended for work on Plant Design گویا علامہ خالد مسعودؒ کی رات دن کی محنت نے پروفیسر سے داد حاصل کر لی تھی۔

ڈگری حاصل کرنے کے بعد انھوں نے گورنمنٹ انڈسٹریل ریسرچ لیبارٹری لاہور میں ملازمت کا آغاز کیا۔ یہ ادارہ محکمہ انڈسٹریز حکومت پنجاب کا ذیلی ادارہ تھا۔ حکومت کے محکمے جتنی سرکاری خریداری کرتے تھے اس ساز و سامان کی تکنیکی جانچ پڑتال اور معیار کی پابندی لیبارٹری کی ذمہ داری تھی۔ یہ ایک نازک اور اہم کام تھا جسے علامہ مرحوم نے پہلے اچھی طرح سیکھا اور پھر پوری دیانتداری اور ذمہ داری سے نبھایا۔ میاں محمد نواز شریف نے اپنے کسی تعلق دار کو نوازنے کے لیے اپنے دورِ وزارت اعلیٰ میں یہ مفید لیبارٹری ختم کر دی جس سے تحقیق، معیار اور کوالٹی کا ادارہ اور ایک مہذب طریق کا چلن نابود ہو گیا۔ اس کے بعد پنجاب کے تمام محکموں میں ناقص معیار، زیادہ قیمت اور گھٹیا کوالٹی کے سامان کی خریداری اور گھپلے بازی کا رواج عام ہو گیا۔ یہ سلسلہ اب کئی دہائیوں سے روبہ ترقی ہے۔

بطور ریسرچ آفیسر اور بطور اسسٹنٹ ڈائریکٹر انڈسٹریز، علامہ مرحوم کے ہاتھوں سے لاکھوں کروڑوں کے سامان، مشینری اور کیمیکلز کی فائلیں گزرتی رہیں، مگر کسی ٹھیکے دار کو اپنے حق کے لئے بھاگنا پڑا اور نہ کچھ خرچ کرنا پڑا۔ ان کے پاس فائل جانے سے صرف ان عناصر کو شدید پریشانی لاحق ہوتی تھی جن کی سپلائی مشکوک اور مال ناقص ہوتا تھا۔ چالیس سال پہلے کرپشن ایک شرمناک عیب تھا۔ غلط کار لوگ بھی چھپ چھپا کر بددیانتی کرتے تھے۔ علامہ کے دوران ملازمت، لیبارٹری کے ایک انچارج بددیانت تھے۔ ان کے ساتھ عملے کے دیانت دار کارکنوں کا سخت مقابلہ ہوا، بڑی محنت اور تگ و دو کے بعد وہ انچارج انکوائری میں کرپٹ پائے گئے اور ملازمت سے نکال دیئے گئے۔ اس ساری جدوجہد میں مرکزی کردار علامہ مرحوم کا تھا جنھوں نے پامردی اور عقل مندی سے منصوبہ بندی کی۔ وہ سرکاری ملازمت کو ایک نوع کی عبادت سمجھ کر ادا کرتے تھے۔ ان کی ملازمت ان خصوصیات پر مشتمل تھی:

- پابندیٔ وقت
- کم سے کم چھٹیاں
- روز کا کام مکمل کرنا
- کام کے لیے مطالعہ اور سینئرز سے مشورہ
- دیانت اور امانت
- رفقاء کار کے ساتھ مخلصانہ اور دوستانہ مراسم

- صبر و قناعت
- حکام کو صحیح اور صائب مشورے
- کسی سائل یا ضرورت مند شہری کی صحیح رہنمائی
- دفتر کے کام کو دفتر تک محدود رکھنا

محکمہ صنعت پنجاب کی ریسرچ ونگ ختم ہو جانے کے بعد علامہ خالد مسعود کچھ عرصہ سرکاری Pool میں رہے۔ آخر استاذ امام مولانا اصلاحی کی خصوصی شفقت سے آنجہانی جنرل ضیاء الحق کے ذریعے قائد اعظم لائبریری باغ جناح لاہور میں بطور علمی محقق Adjust ہوئے۔ وہاں انھیں اپنے ذوق کا ماحول ملا۔ انھوں نے ایئر کموڈور انعام الحق مرحوم کی نگرانی میں دقیق سائنسی موضوعات کو اردو قالب میں ڈھالنے کا مفید کام سرانجام دیا اور لائبریری نے ان کے متعدد معلوماتی کتابچے اور رسائل شائع کیے۔

علامہ مرحوم کو اردو اور انگریزی زبانوں پر خوب دسترس حاصل تھی۔ چنانچہ وہ مولانا اصلاحیؒ کے ایک دوست ہومیو ڈاکٹر مسعود احمد مرحوم (گڑھی شاہو) کے لیے ہومیو مضامین انگریزی سے اردو میں ترجمے کرتے رہے۔ یہ تحریریں کسی نام کے بغیر رسالے میں شائع ہوتیں اور ہومیو سائنس سے دلچسپی رکھنے والے لوگ شوق سے پڑھتے تھے۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے سینکڑوں شاگرد تھے' لیکن اپنے جلیل القدر استاذ کی طرح علامہؒ زندگی بھر قرآن کے طالب علم اور قرآنی علوم و معارف کے ریسرچ سکالر رہے۔ سرکاری نوکری بنیادی طور پر وقت کا ضیاع اور عزت نفس کی غلامی ہے' لیکن لقمۂ حلال اور مزید غلامیوں سے بچنے کے لیے یہ ایک محفوظ پناہ گاہ رہی ہے۔ چنانچہ علامہ ملازمتی مصروفیات کے باوجود گو درس قرآن میں تو باقاعدہ جاتے رہے' تاہم وہ پوری طرح اس کاز کے لیے یکسو نہ ہو سکے۔ یہی وجہ ہے مولانا اصلاحیؒ کے جاری کردہ رسالہ "میثاق" میں ان کے لکھے ہوئے مضامین کی اشاعت کا سلسلہ دیر کے بعد شروع ہوا۔ "تدبر قرآن" کی تصنیف کے دوران علامہ کو یہ سعادت ملی کہ وہ مولانا کے لیے تحقیقی حوالے اور ریفرنس بکس سے مواد تلاش کریں۔ بعض تفسیری مقامات کے لیے علامہ کے تحقیقی مضامین' مولانا نے نہ صرف پسند کیے بلکہ کسی حک و اضافے کے بغیر انھیں شامل جلد کیا۔ تدبر کی تقریباً تمام جلدوں کی پروف ریڈنگ علامہ مرحوم نے کی۔ کئی امور تفسیر و تحریر مولانا نے ڈسکس کیے اور بار ہا اپنے شاگرد عزیز رشید کے ساتھ مشورہ کیا۔

فکر فراہی کے عظیم دھارے میں علامہ خالد مسعود مرحوم کی یہ شرکت و سعادت بلاشبہ امانت فکر کی دلالت ہے۔ اسباق النحو' عربی زبان کے قواعد سیکھنے کا منفرد انداز ہے۔ امام فراہی کی یہ تصنیف' اصل میں فہم قرآن کی شاہراہ کا پہلا باب ہے۔ مولانا اصلاحی کی رہنمائی اور نگرانی میں علامہ نے کتاب کو نئی ترتیب' مثالوں اور مشقوں کے ساتھ تالیف کیا۔ اسم' فعل اور حرف کا ضروری تعارف شامل کیا اور اسے جدید تقاضوں کے مطابق ڈھالا۔ چنانچہ مولانا اصلاحی نے تبصرہ کیا:

''میرے نزدیک یہ کتاب طلبۂ فن کے لیے کافی ہے۔ اس سے عربی زبان سیکھنے کی راہ باز ہو جائے گی''۔

فکرِ فراہیؒ کے لیے علامہ مرحوم نے درج ذیل خدمات سرانجام دیں:

- استاذ امامؒ کے عربی زبان میں افکار متفرقہ اور اوراق منتشرہ کو معیاری ترجمے کے ذریعے اردو میں ڈھالا اور میثاق و تدبر میں مفردات اور دیگر عنوانات کے تحت پورے حزم و احتیاط سے شائع کیا۔
- استاذ مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی تحریروں اور مقالوں سے مضمونوں کا انتخاب' تزئین و ترتیب اور پھر مقالات اصلاحی جلد اول کی اشاعت اور جلد دوم کی ترتیب۔
- کم و بیش ۲۲ سال سہ ماہی رسالہ ''تدبر'' لاہور کے ذریعے مولانا اصلاحیؒ اور امام فراہیؒ کے افکار' نظریات اور خیالات کی براہ راست اور تدبر و تفکر کے ذریعے بالواسطہ تحقیق و اشاعت' تدبر حدیث میں شرح صحیح بخاریؒ (جلد اول) اور شرح موطا امام مالکؒ (جلد اول) اور تدبر قرآن میں مولانا اصلاحیؒ کے اعلیٰ اور رواں ترجمے کے ساتھ تفسیر سے ماخوذ تلخیص کی تدوین و اشاعت۔ شرح صحیح بخاریؒ (جلد دوم) کی ترتیب و تدوین۔
- ''حیات رسول امیؐ'' اگرچہ سیرت کی کتاب ہے' لیکن اس کی تصنیف میں وہی فکر اور وہی انداز کارفرما ہے جو فکرِ فراہی اور طرزِ اصلاحی کا امتیاز اور اس کی شناخت ہے۔ اس کتاب کے صحیح قدردان بھی وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو نظم اور حکمت قرآن کی اہمیت اور ضرورت سے واقف ہیں چنانچہ نو متعارف ''حیات رسول امیؐ'' پڑھ کر بڑی تیزی اور آسانی سے اصلاحی اور فراہی فکر کی طرف راغب ہو سکتے ہیں۔
- ادارہ ''تدبر قرآن و حدیث'' اصل میں تو مولانا اصلاحیؒ کے قائم کردہ حلقہ تدبر قرآن کا ہی پرتو اور تسلسل ہے۔ اس ادارے نے مختصر افرادی قوت کے باوصف بڑے اہم کام سرانجام دیے ہیں جن سے اصلاحی اور فراہی فکر نہ صرف قائم رہا بلکہ توانا پذیر ہوا اور اس شجر طیبہ کی شاخیں پہلے پاکستان میں پھیلیں' پھر اس نے ہندوستان کی شاخوں کو تروتازہ کیا اور اب یہ بہار یورپ اور امریکا تک جا پہنچی ہے۔ ادارہ تدبر قرآن و حدیث نے مولانا اصلاحیؒ کی زندگی کے آخری سانسوں تک ان سے سیکھنے' جاننے اور پانے کا عمل جاری رکھا۔ مولاناؒ کے شاندار دروس اور عظیم الشان مکالمات صدہا آڈیو کیسٹ کی شکل میں کسی علامہ خالد مسعودؒ اور ادارہ تدبر قرآن و حدیث کے منتظر ہیں۔ علامہ خالد مسعودؒ کے اپنے دروس کی سینکڑوں آڈیو کیسٹ پر کام ہونے والا ہے۔ یہ درست ہے کہ ادارہ دو دہائیوں میں کوئی قابل ذکر محقق اور عالم قرآن پیدا نہیں کر سکا لیکن یہ کیا کم ہے کہ آج مولانا کا فکر اور کام پہلے سے زیادہ مدون متعارف اور جانا پہچانا ہے۔

مولانا نے جب میثاق کا آغاز کیا تو سرورق سے صفحۂ آخر تک اور فہرست مضامین میں شروع سے انجام تک ہر جگہ ایک امین احسن اصلاحی کا نام ہوتا تھا۔ ''تدبر'' کے ساتھ بھی خاصا عرصہ ایک نام خالد مسعودؒ مخصوص رہا' لیکن

ب تدبر میں کئی اور نام بھی مل جاتے ہیں۔ دراصل علامہ خالد مسعودؒ اپنے استاذ مولانا اصلاحیؒ کی طرح ایک خاص
میار' ایک خاص اسلوب اور ایک مخصوص نہج کے قائل تھے۔ اس طریقے کے کچھ فائدے ضرور تھے' لیکن نشر و افکار کا
دائرہ اثر ضرور محدود اور قلیل ہو کر رہ گیا۔ بعض اشخاص اور ادارے آگے بڑھے کہ وہ فکر اصلاحی اور فراہی سے استفادہ
ریں اور اسے عام کریں' مگر ادارہ کا معیار اور مزاج آڑے آیا اور قرآنی افکار کی یہ خوشبو ایک حد سے باہر نہ پھیل
ی۔

علامہ خالد مسعودؒ تصوف کے انداز میں مولانا اصلاحیؒ سے بیعت تھے اور نہ مجاز' لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ صوفیا
کے ان دونوں امتیازات سے متصف تھے۔ مولانا سے ان کی محبت کا یہ حال تھا کہ درس کے دوران یا کسی نشست میں
نگاہیں مسلسل مولاناؒ کے چہرے پر رہتیں۔ مولانا کے تاثرات کے ساتھ علامہ متاثر ہوتے رہتے۔ مولانا سے گفتگو کے
دوران علامہ بہت بشاش اور شاداں رہتے۔ مولانا کا روئے سخن بھی اکثر علامہ کی طرف رہتا۔ علامہ کو وہ تمام پھل'
تر کاریاں' رنگ' خوشبو اور دیگر چیزیں مرغوب تھیں جو مولانا کو پسند تھیں۔ صرف پان کھانے پر راغب نہ ہوئے۔ غرض
علامہ پر اصلاحی رنگ بہت غالب تھا۔ ان کی تحریر میں ساخت' ثقاہت اور گہرائی تو مولانا والی ہے البتہ شگفتگی' روانی اور
تازگی سے حصہ وافر نہیں ملا۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مدیر میثاق اور بانی انجمن خدام القرآن' حلقہ تدبر قرآن کے دوسرے دور کے شاگرد
ہیں۔ اللہ نے انہیں بڑی تقریری اور تنظیمی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انھوں
نے تدبر قرآن کی پہلی جلد اس وقت شائع کی جب یہ عظیم سعادت کسی اور صاحب خیر کو نصیب نہ تھی۔ ڈاکٹر صاحب
انتہائی ذہین اور Dedicated اور Activist شاگرد تھے۔ بدقسمتی سے میثاق کی ادارت کے بعد ان کے قلم سے
ایسے افکار اور ادعا شائع ہو گئے جب سرورق پر ابھی مولانا اصلاحیؒ کا نام بطور سرپرست موجود تھا پھر انجمن خدام
القرآن کی تشکیل کا مرحلہ درپیش آ گیا۔ ان دونوں مواقع پر کچھ ایسی بے تدبیری اور بے اعتمادی کی فضا پیدا ہوئی کہ
فاصلے بڑھتے چلے گئے۔ ڈاکٹر صاحب منبع خیر و فلاح اور راست فکر سے محروم ہو گئے اور حلقہ تدبر قرآن ایک پرجوش
اور فعال کارکن سے۔ حالات مزید خراب ہوئے اور دونوں طرف سے گویا رن پڑ گیا۔ اس موقع پر ماہنامہ شمس
الاسلام (بھیرہ) میں مولانا کے دفاع میں علامہ نے اپنے قلم کے جوہر دکھائے۔

علامہ خالد مسعودؒ ۱۹۶۴ء میں انگلستان گئے تھے۔ اس دور میں اسلامی ذہن رکھنے والے جدید تعلیم یافتہ
نوجوان غور و فکر کے بعد اپنی صلاحیتیں مجتمع کر رہے تھے۔ علامہ نے اپنے ساتھیوں کی فکری معاونت میں حصہ لیا اور
تنظیم قائم کرنے میں محدود رہے۔ جنوری ۶۵ء میں آپ اسلامک فاؤنڈیشن کے صدر منتخب ہوئے۔ انگلستان
و یورپ کا مقبول اور مشہور رسالہ میگزٹ انٹرنیشنل اسی دور کی یادگار ہے۔

کچھ عرصہ قبل مولانا فراہیؒ کے حوالے سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے جو ایک پاکستانی بسیار نویس نے تحقیق کی آڑ میں لکھی ہے۔ تحریر میں غیر معمولی طوالت کے ساتھ مولانا اصلاحیؒ کی ذات' ان کی خدمات اور ان کے افکار پر لے دے کی گئی ہے۔ جو لوگ مولانا کو جانتے ہیں یہ رطب و یابس انھیں متاثر نہیں کر سکتا۔ مولانا اصلاحیؒ اس نوع کے ذاتی اور سطحی حملوں سے بے نیاز اور بہت بلند تھے۔ علامہ خالد مسعودؒ کے پاس کتاب کے دونوں نسخے تھے۔ ایک جو بسیار نویس صاحب نے بزعم خویش سالم شائع کیا تھا اور دوسرا جو ہندوستان کے کسی بھلے شخص نے قدرے مہذب انداز میں یہ طبع کیا تھا۔ وہ اس کتاب کے پاکستانی ایڈیشن سے بہت مایوس ہوئے تھے اور اس کا ذکر کرنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔

علامہ خالد مسعود مرحوم کی زندگی کا ایک انتہائی خوشگوار واقعہ مدرسۃ الاصلاح کی تاسیس کے حوالے سے ان کا سفر ہندوستان تھا۔ میری خواہش پر انھوں نے مجھے بھی سیمینار میں شرکت کا دعوت نامہ فراہم کروا دیا تھا مگر میں ملازمتی مجبوری اور ویزا کی پابندی کے سبب نہ جا سکا۔ سرائے میر میں ان کا قیام بڑا یادگار رہا۔ انھوں نے اجلاسوں کی صدارت کی' اپنا مقالہ پڑھا' مدیدہ ہم سفر اصلاحی اصحاب اور ہم فکر اصلاحی احباب کے ساتھ ملاقاتیں رہیں۔ امام فراہیؒ اور مولانا اصلاحیؒ کے قیام سے متعلق آثار دیکھے' ان کی باتیں سنیں۔ اس سفر سے علامہ بہت خوش اور مطمئن تھے' لیکن جس چیز نے ان کی مسرت کو بے پایاں بنایا وہ ایک کرسی کی نشست تھی۔ یہ کرسی یا پیڑھی امام فراہیؒ کی تھی جس پر بیٹھ کر وہ پڑھتے پڑھاتے تھے۔ امام فراہیؒ کی ۱۹۳۰ء میں رحلت کے بعد علامہ خالد مسعود مرحوم خصوصی طور پر اس اعزاز کے مستحق ٹھہرے اور تمام رفقاء' اساتذہ اور متعلقین مدرسۃ الاصلاح کی موجودگی میں وہ صدی کے سب سے بڑے مفسر اور محقق قرآن کی نشست پر تشریف فرما ہوئے۔

باتیں ہماری یاد رہیں' پھر باتیں نہ ایسی سنیے گا
پڑھتے کسی کو سنیے گا تو پھر دیر تلک سر دھنیے گا

خطبۂ تبلیغ

[illegible]

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

محمد تاج

یار دنیا میں رہو غم زدہ یا شاد رہو
ایسا کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو

موت برحق ہے بلکہ ایسا حق ہے جس سے کسی کو محروم نہیں رکھا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ہر ذی روح کو موت کا مزا چکھنا ہے پھر ہر انسان کی اجل کا وقت بھی مقرر ہے جس میں ایک لمحہ کی تاخیر بھی نہیں ہو سکتی''۔ لیکن بعض انسانوں کی موت ایسی عجیب لگتی ہے جیسے انھیں مرنا نہیں چاہیے تھا۔ مرحوم خالد مسعودؒ کی وفات کی خبر بھی کچھ ایسی ہی تھی۔

اپنے ایک دوست کی دعوت پر میں نے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے درس قرآن جو مسجد خضریٰ سمن آباد میں ہوا کرتا تھا شرکت کی اور پھر باقاعدگی سے ہر اتوار کو مسجد خضریٰ میں ڈاکٹر صاحب کے درس میں شریک ہوتا رہا۔ عربی زبان سیکھنے کی تحریک بھی محترم ڈاکٹر صاحب کے حلقہ درس سے ہوئی۔ اس نسبت سے محترم خالد مسعود صاحب سے میرا پہلا رابطہ بطور شاگرد ۱۹۷۲ء میں انجمن خدام القرآن کے دفتر سمن آباد میں ہوا لیکن یہ تعلق میری ذاتی مصروفیات کی بنا پر زیادہ عرصہ قائم نہ رہ سکا۔ آپ انجمن کے دفتر میں بعد نماز مغرب اپنی تصنیف کردہ عربی کتب 'اسباق النحو' پڑھایا کرتے تھے۔ میں بھی عربی زبان سیکھنے کے لئے ان کی کلاس میں حاضر ہوتا اور یوں مجھے بھی ان کے سینکڑوں شاگردوں کی فہرست میں بطور ادنیٰ شاگرد نام لکھوانے کی سعادت حاصل ہے۔ جس طرح آپ کی مذکورہ کتاب دیگر عربی گرائمر کی کتب سے مختلف انداز میں لکھی گئی ہے اسی طرح آپ کے پڑھانے کا انداز بھی دیگر اساتذہ سے منفرد تھا۔ وہ ایک قابل اور شفیق استاد تھے۔ قرآن مجید کے ساتھ انھیں خصوصی شغف تھا۔ اسی نسبت سے خالد مسعود صاحب کو مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کے اگر جانشین نہیں تو سچے پیروکار کے طور پر پیش کیا جا سکتا

ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنے استاد محترم امام حمید الدین فراہی کے بعد ان کی فکر کی روشنی میں تدبر قرآن جیسی مدلل اور سائنٹیفک تفسیر لکھی اور استاد کی عربی تفسیر کے اجزا کا اردو میں ترجمہ کیا اسی طرح جناب محترم خالد مسعود نے محترم و مکرم جناب مولانا امین احسن اصلاحی کی وفات کے بعد اپنے جلیل القدر استاد کے علمی کاموں کی تکمیل کی۔ اس کام کا آغاز انھوں نے مولانا اصلاحی صاحب کی زندگی میں ہی کر دیا تھا۔ ۱۹۸۱ء سے مولانا اصلاحی صاحب کی راہ نمائی اور سرپرستی میں سہ ماہی علمی مجلہ ''تدبر'' کی ادارت کر رہے تھے۔ ان کی زندگی اشاعت دین اور خدمت اسلام کے لیے وقف تھی۔

۱۹۶۲ء تا ۱۹۷۰ء کے دوران مولانا حمید الدین فراہی کی چھ عربی کتب ''دلائل النظام''، ''التکمیل فی اصول التاویل''، ''اسالیب القرآن''، ''احکام الاصول باحکام الرسول''، ''القائد الی اصول العقائد''، ''ملکوت اللہ'' اور ''الرائع فی اصول الشرائع'' کے اردو تراجم کیے جو ماہنامہ میثاق اور تدبر میں چھپے۔

آپ سے میری دوسری ملاقات قائد اعظم لائبریری میں تقریباً پندرہ سال کے بعد ہوئی جب ۱۹۸۵ء میں آپ کا قائد اعظم لائبریری کے شعبہ تحقیق میں بطور ریسرچ آفیسر تقرر ہوا۔ میں اس وقت قائد اعظم لائبریری میں بطور اسسٹنٹ لائبریرین خدمات سرانجام دے رہا تھا۔ ہمارے ہاں بچوں کے لئے سائنسی کتب کی اشاعت پر کوئی خاطر خواہ کام نہیں ہوا چنانچہ آپ کو بچوں کے لئے آسان زبان میں سائنسی کتب لکھنے کا فریضہ سونپا گیا جسے آپ نے انتہائی ذمے داری سے نبھایا۔ قائد اعظم لائبریری میں بچوں کے لئے سائنس پر پانچ کتابیں ''ابتدائی فلکیات' کرہ زمین' عالم حیوانات' پودوں کی زندگی اور مسلمان اور سائنس'' آسان زبان میں تصنیف فرمائیں۔ ابتدائی فلکیات کی تصنیف پر نیشنل بک فاؤنڈیشن کی طرف سے آپ کو ایوارڈ سے نوازا گیا۔ کرہ زمین کو مقتدرہ قومی زبان نے اردو ادب پر ایک احسان قرار دیا۔ بچوں کے لئے سائنسی کتب کی تصنیف کے ساتھ ساتھ آپ کو قائد اعظم لائبریری کے سہ ماہی جریدے ''قائد اعظم لائبریری بلٹن'' کے لئے مضامین کی فراہمی' ایڈیٹنگ اور پروف ریڈنگ کا کام سپرد کیا گیا جسے آپ نے نہایت تندہی اور خوش اسلوبی سے سرانجام دیا۔ مذکورہ جریدے میں مختلف موضوعات پر آپ کے مضامین' کتب پر تبصرے اور آرٹیکل بھی چھپتے رہے۔ ان کے تبصرے بے لاگ تبصرہ نگاری کا حق ادا کرتے ہیں۔ ان کی تنقید اپنے اندر توازن اور اعتدال رکھتی ہے۔

آپ نے ادارہ تحقیقات اسلامی' مقتدرہ قومی زبان اور اردو سائنس بورڈ کی کتابوں کے تراجم بھی کیے۔ عظیم مفکر فرانسس بیکن کی مشہور کتاب Novumorganum with Neoaltlantas کا اردو میں ترجمہ ''منہاج جدید مع نو اطلانتہ'' کے نام سے کیا۔ عظیم فلسفی برٹرینڈ رسل کی مشہور کتاب Our Knowledge of External World کا ترجمہ ''خارجی دنیا کا علم'' کے عنوان سے کیا۔ عظیم سائنسدان آئزک نیوٹن کی کتابیں Optics کا

''بصریات'' اور The Mathematical Principles of Natural Philosophy کا ''ریاضیات فطری فلسفہ'' کے نام سے ترجمہ کیا۔ یہ چاروں کتابیں مقتدرہ قومی زبان نے شائع کیں۔ معروف مسلم سائنسدان کا اردو ترجمہ کیا جسے اردو سائنس بورڈ نے شائع کیا۔ گورنمنٹ انڈسٹری ڈیپارٹمنٹ میں ملازمت کے دور میں حسب ذیل بڑی کارآمد تکنیکی اور تحقیقی رپورٹیں تیار کیں۔

1- Chemical Invastigations on the seeds of FICUS Bangalensis

2- Synthetic tanning Material from Black Liquor.

3- -do-

4- Mechanism of Heat Transfer in the Boiling Regime.

5- Sulphur Dyes from Black Liquor

6- Survey Report on Paint & Varnish Industry in Punjab.

آپ کی زندگی میں شائع ہونے والی آخری تصنیف ''حیات رسول امیؐ'' ہے۔ یہ ایک منفرد محققانہ کتاب ہے۔ اس کتاب میں رسول اللہؐ کی سیرت قرآن کی روشنی میں بیان کی گئی ہے۔ سیرت کی کتابوں میں روایات پر مبنی قدیم کتب سیرت پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ آپ نے اس روش سے ہٹ کر قرآن مجید کی روشنی میں روایات کو پرکھا ہے اور رسولوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے قوانین بیان کرتے ہوئے یہ کتاب لکھی ہے۔ آپ نے حضورؐ کے بارے میں قدیم صحیفوں میں وارد پیشین گوئیوں کا احاطہ کرنے کی بھی کوشش کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ ان کا اطلاق حضورؐ کے سوا کسی دوسرے رسول پر نہیں ہوتا۔

ادارہ تدبر قرآن وحدیث کے مشہور علمی جریدے ''تدبر'' کے تاحیات آنریری ایڈیٹر رہے۔ آپ کا بہت سا کام ابھی اشاعت کا منتظر ہے۔ زندگی بھر تصنیف وتالیف آپ کا اوڑھنا بچھونا رہا۔ آپ بڑی سرعت کے ساتھ اپنے علمی منصوبوں کی تکمیل کے درپے رہے۔ محترم خالد مسعود صاحب لائق تحریک تو ہیں ہی ان کے رفقاء کار بھی قابل تحسین ہیں جنھوں نے ان کے ساتھ مل کر مختلف حوالوں سے ان کا ہاتھ بٹایا۔

وفات سے ایک روز قبل لائبریری تشریف لائے۔ دوستوں سے ملاقات کی۔ فہم وفراست کا پیکر اور علم وادب کا یہ درخشندہ آفتاب' یکم اکتوبر ۲۰۰۳ء کو غروب ہوگیا۔ ایسے لوگ قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں۔

میں بعد مرگ بھی بزم وفا میں زندہ ہوں
تلاش کر میری محفل میرا مزار نہ دیکھ

محترم خالد مسعود صاحب کا شمار ہمارے عہد کے ان اہل دانش میں ہوتا ہے جو خاموشی کے ساتھ علم وادب کی

خدمت میں مصروف رہے۔ آپ ابتدائے عمر سے ہی لائق اور ذہین تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں قلب وذہن اور زبان و قلم کی جولاں زوال صلاحیتیں عطا کی تھیں وہ قرآن کی خدمت کے لئے وقف کردیں۔ مرحوم کی دینی خدمت کا عرصہ اڑتالیس سال سے زائد ہے۔

قائداعظم لائبریری میں ملازمت کے دوران درس قرآن مجید باقاعدگی سے دیتے رہے۔ خالد مسعود صاحب کو انگریزی، اردو، فارسی اور عربی چاروں زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ وہ اپنے خیالات کی ترجمانی اپنی تحریروں میں لانے کی پوری صلاحیت رکھتے تھے۔ آپ نے مختلف موضوعات پر دقیق اور پرمغز تحقیقی مقالے تحریر کرکے اپنی ذہانت وفطانت کا عملی ثبوت دیا۔ نئی کتابوں پر آپ کے بے لاگ تبصرے 'اسلامک بک ریویو' انگلستان میں شائع ہوتے رہے۔

آپ ایک بلند پایہ محقق، منکسر المزاج، نفیس الطبع اور پختہ ادبی ذہن کے مالک تھے۔ انداز گفتگو نہایت دھیما اور شائستہ ہوتا تھا۔ دینی رجحانات وراثت سے ملے تھے۔ اساتذہ میں محترم شاگردوں میں مکرم تھے۔ مزاج میں بلا کی سادگی اور متانت تھی۔ لین دین کے کھرے، پاک دل اور پاکباز انسان تھے۔ ان کی رحلت سے علمی وادبی حلقوں میں جو خلا پیدا ہوگیا ہے اس کا پُر ہونا محال نظر آتا ہے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی خطاؤں سے درگزر فرمائے، ان کی کاوشیں مقبول ہوں اور کروٹ کروٹ انھیں رحمتوں کی چھائیں میسر ہوں۔ اور ان کی علمی ودینی خدمات کو ان کے درجات کی بلندی کا ذریعہ بنائے۔

ع...... خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

ایک خاموش مجاہد کی رحلت

شہزاد سلیم

[جناب خالد مسعود کے سانحہ ارتحال پر ایک تحریر]

یکم اکتوبر ۲۰۰۳ء کی صبح جناب خالد مسعود ہم سے بچھڑ کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ وہ ایک ایسے فرد تھے جن کی ہستی خلوص، عبادت و ریاضت اور محنت سے عبارت تھی۔ وہ قرآنی علوم کے فاضل اجل مولانا امین احسن اصلاحی (متوفی ۱۹۹۷ء) کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ بلاشبہ وہ ہم سے جدا ہو گئے لیکن ان کی یادیں کبھی ماند نہیں پڑ سکتیں۔ ان کی یاد ان لوگوں کے دلوں میں ہمیشہ جلوہ گر رہے گی جو انھیں جانتے تھے اور ان کی تحریروں کا مطالعہ کرتے رہتے تھے۔

وہ ۱۹۳۵ء میں جہلم کے ایک نواحی گاؤں میں پیدا ہوئے اور آج اسی علاقے میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔ انھوں نے اسلامیہ کالج لاہور سے گریجوایشن کی۔ پنجاب یونیورسٹی سے کیمسٹری میں ماسٹر کی ڈگری حاصل کی۔ بعد کو وہ اعلیٰ تعلیم کے لیے برطانیہ چلے گئے۔ وہاں سے فارغ التحصیل ہوئے۔ وطن واپس آئے اور محکمہ صنعت میں ملازمت کر لی۔ بعد کو وہ قائد اعظم لائبریری میں بحیثیت محقق کام کرنے لگے۔ ۱۹۹۵ء میں سبکدوش ہو گئے۔

۱۹۶۰ء میں وہ مولانا امین احسن اصلاحی کے سایہ تدریس میں آ گئے اور کم و بیش ۳۰ برس تک انھی کے دامن ارادت سے وابستہ رہے۔ اس دوران انھوں نے مولانا اصلاحی سے عربی سیکھی، عربی ادب پڑھا اور قرآن و حدیث کے علوم حاصل کیے۔ وہ ماہنامہ ''میثاق'' کی ادارتی ذمہ داریوں میں بھی اپنے محترم معلم کا ہاتھ بٹاتے رہے۔ اس دوران انھوں نے مولانا اصلاحی کے اتالیق گرامی مولانا حمید الدین فراہیؒ کی کئی تصانیف کا اردو میں ترجمہ کیا۔ ۱۹۸۰ء میں مولانا اصلاحیؒ نے ادارۂ تدبر قرآن و حدیث قائم کیا تو جناب خالد مسعود اس ادارے کے منتظم بنا دیے گئے۔ وہ قرآنی علوم کے تحقیقی مجلے سہ ماہی ''تدبر'' کے مدیر بھی رہے۔ یہ مجلہ ادارۂ تدبر قرآن و حدیث کا ترجمان تھا۔ تدبر کے مدیر اور ادارے کے ناظم کی حیثیت سے انھوں نے اپنے فرائض آخر دم تک بڑی مستعدی سے انجام دیے۔

انھوں نے تدبر قرآن کے زیر عنوان مولانا اصلاحیؒ کی عظیم تفسیر کا لب لباب بھی لکھا جو ایک جلد میں شائع ہوا۔ یہ تحریر ان کی ابتدائی تصانیف کا ایک حصہ ہے۔ حقیقت یہ ہے مولانا اصلاحی کی منفرد تفسیر کا خلاصہ لکھ کر انھوں نے قارئین کو اس تفسیر کی بالیدگیوں سے روشناس کرانے کی کوشش کی ہے۔ ان کی رحلت سے چند مہینے پہلے ان کی آخری اور اہم ترین کتاب ''حیات رسول امیؐ'' منظر عام پر آئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ کے بارے میں غالباً یہ اپنی نوعیت کی پہلی انتہائی تحقیقی کتاب ہے جو سیرت طیبہ پر حدیث کے ذرائع سے دستیاب ہونے والی معلومات کا قرآن کریم کی روشنی میں تنقیدی جائزہ لیتی ہے۔

متذکرہ بالا دو کتابوں کے علاوہ انھوں نے مولانا فراہیؒ کے بہت سے مضامین کا عربی سے اردو میں بھی ترجمہ کیا۔ مزید برآں انھوں نے صحیح بخاری اور موطاء امام مالکؒ پر مولانا اصلاحی کے خطبات بھی مرتب کیے۔

جناب خالد مسعود نہ صرف ایک فاضل اجل تھے بلکہ شخصی سیرت کے اعتبار سے بھی وہ نہایت متقی مسلمان تھے۔ یہ فیصلہ دشوار ہے کہ آیا ان کی علمی وسعتیں ان کی پارسائی پر فائق تھیں یا ان کی پرہیزگاری نے ان کے علم کو منور کر دیا تھا۔ وہ سب لوگ جو انھیں جانتے پہچانتے ہیں ان کے اخلاص و شیفتگی کے مداح ہیں۔ انھیں نام و نمود کی طلب نہیں تھی۔ وہ شہرت سے دور بھاگتے تھے۔ رومانوی نظر فریبیوں سے وہ ہمیشہ کنارہ کش رہے۔ انھیں اس بات سے ہرگز کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ یہ دنیا ان کی قدر شناس ہے یا نہیں۔ وہ تو ایک خاموش طبع مجاہد تھے۔ انھوں نے بے غرض ہو کر خون پسینہ ایک کر کے علمی اور دینی کام کیا۔ ان کی تنہا طلب اور تڑپ یہ تھی کہ انھیں خالق ارض و سما کی رضا حاصل ہو جائے۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ حسن عمل کے پھول ہی سدا بہار ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور انھیں جوار رحمت میں جگہ دے۔

(بشکریہ رینائے سنس دسمبر ۲۰۰۳ء)

مولانا اصلاحیؒ کے عقلی وارث

سلیم کیانی

جناب خالد مسعودؒ مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے شاگرد رشید تھے۔ وہ آرزومند رہتے تھے کہ انھیں مولانا کے شاگرد ہی کی حیثیت سے جانا پہچانا جائے۔ ان کی یہ تمنا وقتاً فوقتاً بڑے مبارک اسلوب میں پوری ہوتی رہی۔ جناب خالد مسعود کی آخری تصنیف "حیات رسولؐ امی" کے عنوان سے جلوہ گر ہوئی تو اس پر موصوف کا نام مولانا اصلاحیؒ کے تلمیذ کی حیثیت سے درج تھا۔ یہ امر بھی ان کی اسی خواہش کا مظہر ہے کہ ان کے کام کو ان کے استاد گرامی کے فیض و فضیلت کے حوالے سے دیکھا جائے۔

مرحوم طلب علم کے زمانے میں لاہور میں اسلامی جمعیت طلبہ کے سرگرم رکن رہے۔ قرآن کریم سے گہرا لگاؤ تھا۔ ہر وقت فہم قرآن کے مواقع ڈھونڈتے رہتے تھے۔ ایک دن جناب خالد مسعود سمیت ہم چند دوست جناب عاصم الحداد کی خدمت میں پہنچے۔ وہ مولانا مسعود عالم ندوی کے شاگرد رشید تھے۔ موصوف نے مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی بعض تصانیف کا عربی میں ترجمہ بھی کیا تھا۔ ہم نے ان سے عربی پڑھنے کی استدعا کی مگر ان کے احوال ایسے قاعدوں اور ضابطوں کی جکڑ بندیوں کے اسیر تھے کہ ہماری خواہش کی بیل منڈھے نہ چڑھی۔

یہی زمانہ تھا جب جناب خالد مسعود مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم کی خدمت میں پہنچے۔ انھیں ہم سب اچھی طرح جانتے تھے۔ وہ جماعت اسلامی میں عظیم خدمات انجام دیتے تھے اور ہمارے اجتماعات میں لیکچر دینے تشریف لایا کرتے تھے۔ تاہم ان دنوں مولانا موصوف سماجی اور سیاسی کاموں کی ہنگامات کی وجہ سے بہت مصروف تھے۔ ۱۹۵۹ء میں وہ سیاست سے کنارہ کش ہو گئے اور قرآن کی تفہیم و تدریس کی طرف متوجہ ہونے لگے۔ ۱۹۶۲ء میں مطالعہ قرآن کا حلقہ قائم ہوا تو جناب خالد مسعودؒ پہلے فرد تھے جو اس حلقے میں شامل ہوئے۔ استاد اور شاگرد کا یہ قران سعدین بہت خوب اور بروقت تھا۔ محترم معلم فہم قرآن کے موتی لٹانے پر تلا ہوا تھا اور شاگرد رشید ان موتیوں

سے اپنا دامن بھرنے کے لیے بیتاب تھا۔ جناب خالد مسعود نے مولانا اصلاحی سے پہلے عربی پڑھی پھر عربی شعر و ادب کا مطالعہ کیا۔ اس کے بعد وہ قرآن وحدیث کے مطالعے میں ڈوب گئے۔ انھوں نے کتاب وسنت کا مطالعہ ٹھیک انھی خطوط پر کیا جو خود مولانا اصلاحیؒ کے مایۂ ناز معلم نامور مفسر قرآن مولانا حمید الدین فراہی کا طریق واسلوب تھا۔ مولانا اصلاحیؒ نے قرآن کریم کی تفسیر تدبر قرآن لکھی تو جناب خالد مسعود نے مرحوم کا خاطر خواہ ہاتھ بٹایا اور انھیں تمام مطلوبہ کتابیں اور مواد مہیا کیا۔ جب مولانا اصلاحی نے ماہنامہ ''میثاق'' جاری کیا تو جناب خالد مسعود اس کے مدیر معاون مقرر ہوئے۔ تدبر قرآن کا کام ختم ہوا تو جناب خالد مسعود نے اپنے استادگرامی کو تفسیر حدیث کی طرف مائل کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ ادارہ تدبر قرآن وحدیث معرض وجود میں آیا اور اس کے ناظم بھی جناب خالد مسعود ہی مقرر کیے گئے۔ بعدازاں وہ سہ ماہی 'تدبر' کے مدیر کی حیثیت سے بھی کام کرتے رہے۔ اس جریدے کے ۸۰ شمارے شائع ہو چکے ہیں۔ اس ادارے میں مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے قرآن کریم' موطا امام مالک اور صحیح بخاری کے بعض حصوں کی تشریح وتوضیح پر لیکچر دیے۔ جب مولانا اصلاحی کی صحت جواب دے گئی اور وہ تدریس سے معذور ہو گئے تو یہ عظیم کام بھی جناب خالد مسعود کے سپرد کر دیا گیا۔ یوں وہ اپنے استادگرامی کی جگہ تفہیم قرآن و حدیث کے فرائض انجام دینے لگے۔ جناب خالد مسعود حریت فکر کے انسان تھے۔ کئی مواقع ایسے آئے جب انھوں نے اپنے استادگرامی کے نقطۂ نظر سے اختلاف بھی کیا اور ان کی رائے کے مقابلے میں نہایت ادب واحترام سے اپنے دلائل پیش کیے۔

خالد مسعود مرحوم ادارہ تدبر قرآن وحدیث کے ناظم کی حیثیت سے بائیس سال تک سرگرم کار رہے۔ ان کی دلی تمنا تھی کہ یہ ایک باقاعدہ مستحکم ادارے کی شان سے کام کرے لیکن وسائل کی قلت کے باعث ان کا یہ خواب پورا نہ ہو سکا۔ بعض افراد اس ادارے کی مالی اعانت کے لیے آگے بڑھے لیکن مالی تعاون کرنے کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کا ارادہ یہ بھی تھا کہ وہ ادارہ تدبر قرآن وحدیث بھی اپنے کنٹرول میں لے لیں۔ یہ بات مرحوم کو گوارا نہیں تھی۔

فروری ۱۹۹۷ء میں وہ بھارت گئے۔ جہاں مدرستہ الاصلاح اعظم گڑھ میں مولانا اصلاحی پر ایک خصوصی سیمینار منعقد ہوا تھا۔ یہ مرحوم کے یگانہ اعزاز اور امتیاز کا ناقابل تصور لمحہ تھا۔ وہاں ان کا بڑا پرتپاک استقبال کیا گیا اور تشریف فرما ہونے کے لیے انھیں وہ کرسی پیش کی گئی جس پر کبھی مولانا فراہی اور مولانا اصلاحی جلوہ افروز ہو کر درس قرآن دیا کرتے تھے۔ یہ مرحوم کے مقام ومنزلت کا بڑا شاندار اعتراف تھا جبکہ مرحوم خالد مسعود کی تمنا صرف یہ تھی کہ انھیں مولانا فراہی اور مولانا اصلاحی جیسے عظیم اور اجل اساتذہ کا عام پیروکار باور کیا جائے۔ مرحوم کی یہ تمنا رب ذوالجلال نے بڑی عظمت واجلال کے ساتھ پوری فرما دی۔

مرحوم نے آخری کتاب جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدس پر ''حیات رسول امی'' کے

عنوان سے لکھی۔ انھوں نے اس پر اپنے نام کے ساتھ ''تلمیذ مولانا اصلاحی'' کے الفاظ بھی درج کیے۔ مرحوم کا اپنے آپ کو مولانا اصلاحی کا ''شاگرد'' لکھنا معمولی بات نہیں ہے۔ ان کے اس حسن عمل کی ایک خاص اہمیت ہے اور وہ یہ کہ ان کا خود کو ''تلمیذ اصلاحی'' جتلانا ایک ایسی کنجی ہے جو ان کے حسن سیرت کے سارے بھید کھول دیتی ہے۔ ان کی ساری طلب اور تڑپ یہ تھی کہ میں جو کچھ ہوں اور جو کچھ میں نے سیکھا ہے اس کے اعزاز کا اصل مستحق میرے استاذ محترم مولانا اصلاحی کو گردانا جائے۔ اس میں ایک طرف ان کا انکسار بول رہا ہے تو دوسری طرف اپنے مایہ ناز اتالیق کی محبت و عقیدت جھلک رہی ہے۔ محترم پروفیسر خورشید احمد کے بقول ''وہ تحریک اسلامی کی تین نسلوں کے معلم تھے۔'' (ترجمان القرآن، مارچ ۱۹۹۸ء)

(بشکریہ: امپیکٹ انٹرنیشنل۔ نومبر۔ دسمبر ۲۰۰۳ء)

محبت کرنے والے انسان

جناب خالد مسعودؒ سے میرے دس سال تک مراسم رہے۔ جن دنوں راولپنڈی میں مشہور زمانہ سیلاب آیا تو اس وقت آپ راولپنڈی ہی میں تھے۔ میرے منع کرنے اور باصرار روکنے کے باوجود میرے گھر تشریف لائے اور فرمایا کہ اس مشکل گھڑی میں بغیر ملاقات واپس کیسے جا سکتا ہوں؟ اور ساتھ ہی اپنے مخصوص انداز میں مسکرا دیے۔ میں حیران اور ہکا بکا کھڑا ان کو دیکھتا رہا پھر انھوں نے کپڑوں سے کیچڑ خود ہی دھویا، جمعہ کی نماز پڑھی اور چلے گئے۔ ان دنوں تو راولپنڈی کی حالت نہایت ہی دگرگوں تھی۔ رشتہ دار تک مجبوراً ایک دوسرے کو فراموش کر گئے تھے۔ مرحوم سے یہ میری آخری ملاقات تھی۔ بلاشبہ آپ ایک نفیس باعمل اور محبت کرنے والے انسان تھے۔ ان کا اصلی حسن ان کی سادگی اور گہرا علم دین تھا۔

(محمد اشفاق۔ راولپنڈی)

ایک مدبر و مفکر عالم دین

عبدالرشید صدیقی

براورم خالد مسعود کے انتقال کی خبر کئی ہفتوں بعد ایک قریبی دوست کے ذریعہ معلوم ہوئی۔ اگرچہ ان کی علالت کی مجھے اطلاع تھی۔ دل کو یقین نہیں آیا کہ وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں۔ اس افسوس ناک خبر کی تصدیق ان کی اہلیہ سے فون پر گفتگو کے بعد ہوئی۔ پھر اس کی اطلاع ان کے دیرینہ دوست واحباب اور یو کے اسلامک مشن کے ذمہ داروں تک پہنچانے کا فریضہ بھی مجھے ہی انجام دینا پڑا۔ اگرچہ مجھے ان کے ساتھ صرف ایک سال سے کم ہی وقت گزارنے کا موقعہ ملا تھا تاہم اس مختصر دور شناسائی ہی میں ہم ایک دوسرے کے دائمی دوست اور رفیق بن گئے۔ باوجود اتنی دوری کے یہ سلسلہ محبت و رفاقت تقریباً ۳۹ سال تک برقرار رہا بہر حال

؎ حسرت رہی کہ ان سے دوبارہ نہیں ملا

جناب خالد مسعود ستمبر ۱۹۶۲ء میں کنگز کالج میں کیمیکل انجینئرنگ پوسٹ گریجویٹ ڈپلومہ کی تعلیم کے لئے لندن آئے تھے۔ اس دوران میں بھی لائبریرین شپ (Liberarianship) کی پوسٹ گریجویٹ تعلیم کے لئے لیورپول سے لندن آیا تھا۔ ان سے میری پہلی ملاقات یو کے اسلامک مشن کے لندن آفس میں ہوئی تھی۔ اس وقت مشن کے صدر براور قربان علی صاحب تھے جو قانون کی اعلیٰ تعلیم کے لئے ڈھاکہ سے آئے تھے۔

لندن میں خالد مسعود جس مکان میں رہا کرتے تھے۔ جب اس مکان میں ایک کمرہ خالی ہوا تو میں بھی وہیں منتقل ہو گیا۔ اس طرح ہماری رفاقت میں بھی پختگی ہوگئی۔ عموماً ہم شام کا کھانا اکٹھے ہی کھاتے تھے جو ہمیں خود ہی پکانا ہوتا تھا۔ اکثر مغرب وعشاء کی نمازیں بھی اکٹھے ہی پڑھتے تھے۔ باوجودیکہ وہ مجھ سے علم وعمل میں بدرجہا بہتر تھے مگر اصرار کرتے کہ میں ہی امامت کروں یہ محض ان کی انکساری اور تواضع تھی۔

مشن کا ہفتہ وار اجتماع ایسٹ لندن مسجد میں اتوار کے روز دوپہر میں ہوتا تھا جس میں ہم لوگ باقاعدگی سے

یب ہوتے تھے۔ وہاں خالد بھائی کے درس قرآن سے اکثر مستفید ہونے کا موقع ملتا۔ اور ان کے گہرے تدبر
آن کا اندازہ ہوا۔ ہماری اکثر قرآن کے مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہتی۔ وہ اپنے ساتھ قرآن مجید کے علاوہ
وان غالب بھی لائے تھے۔ انھوں نے بتایا کہ مولانا اصلاحی نے ہدایت کی تھی چونکہ قرآن مجید ادب عالیہ کے ایک
ں معیار کا شاہکار ہے اور اس کی عظمت کا اندازہ کرنے کے لئے اعلیٰ ادبی شہ پاروں کا بھی مطالعہ کرنا چاہیے تاکہ
دازہ ہو سکے کہ قرآن کس طرح ان سب سے اعلیٰ وارفع ہے۔ پاکستان واپس جاتے ہوئے وہ قرآن مجید اور دیوان
ب کا نسخہ مجھے دے گئے۔ دیوان غالب پر نومبر ۱۹۶۲ء کی تاریخ درج ہے اور یہ نسخہ میرے پاس محفوظ ہے۔ اس پر
ھوں نے بعض اشعار کو نشان زد بھی کیا ہوا ہے۔

قرآن مجید پر گفتگو کے دوران حروف مقطعات پر بھی ہماری باتیں ہوتیں۔ میں علامہ فراہیؒ کے اس نقطۂ نظر
ے متاثر تھا کہ ادبی حروف کی اصل عبرانی ہے جو ان حروف سے ماخوذ ہے جو قدیم ادب میں رائج تھے اور یہ قدیم
مصری اور چینی زبان کے حروف کی طرح Pictographic یعنی اشیاء پر بھی دلیل ہوتے ہیں۔ اس پر میں نے کچھ
ام کرنا شروع کیا تھا۔ اس کا علم خالد بھائی کو ہوا تو پاکستان جانے کے بعد بھی وہ اکثر مجھے توجہ دلاتے رہے کہ میں
س کام کو تکمیل تک پہنچاؤں، لیکن میں اپنی مصروفیات اور تساہل کی وجہ سے اس کو مکمل نہیں کر سکا۔

لندن میں ہم لوگ اپنے تعلیمی اور دینی مشاغل کے علاوہ کچھ وقت سیر و تفریح میں گزارتے۔ خالد بھائی کے
ذریعہ ان کے ہم جماعت شہزاد احمد سے میرا تعارف ہوا۔ خالد بھائی، شہزاد اور میں اکثر فارغ اوقات ایک ساتھ
گزارتے تھے۔ Windsor Centre کی پکنک جس میں مشن کے خاصے لوگ شریک تھے بہت پر لطف رہی
تھی۔ اپنے کورس کے اختتام کے بعد خالد بھائی نے برطانیہ کے دیگر شہروں کا بھی دورہ کیا۔

خالد بھائی نے لندن آنے کے بعد اسلامک مشن کی رکنیت اختیار کر لی تھی۔ جب دسمبر ۱۹۶۴ء میں بھائی
قربان علی نے وکالت کا کورس ختم کیا اور باقاعدہ بیرسٹر ہو گئے تو واپس ڈھاکہ جانے کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ اس وقت
صدر کا انتخاب عمل میں آیا اور خالد بھائی اسلامک مشن کے دوسرے صدر منتخب ہوئے۔ ان کا دور صدارت جنوری
۱۹۶۵ء سے اگست ۱۹۶۵ء تک رہا۔ خالد بھائی کے دور صدارت کے دوران بنگالی اور اردو حلقے الگ الگ تشکیل
دیے گئے تاکہ اسلامک مشن کے کام میں بہتری ہو سکے۔

خالد بھائی کی وطن واپسی کے بعد ان سے خط و کتابت کا سلسلہ کئی سال تک برقرار رہا۔ اپنے خطوط میں وہ
ہمیشہ اسلامک مشن کی ترقی کے لئے مشورے دیتے رہے۔ پاکستان اور عالم اسلام کے سیاسی اور سماجی حالات پر بھی
ان کے بڑے مدبرانہ تبصرے ہوتے تھے۔ ان میں سے کچھ تبصرے میں نے مشن کے خبر نامہ میں بھی شائع کیے۔ وہ
مجھے سرگرم عمل رہنے کی تلقین کرتے اور ہر طرح سے حوصلہ افزائی کرتے رہتے۔ مولانا اصلاحی کی سرگرمیوں سے بھی

باخبر رکھتے تھے اور ''تدبر قرآن'' کی جلدیں شائع ہونے پر مجھے بھیجنے کا اہتمام فرماتے۔ اسی طرح میثاق اور تدبر بھی مجھے باقاعدگی سے بھجواتے رہے۔

اس سال اپریل میں جب اسلامک مشن نے اپنی چالیسویں سالگرہ منانے کا فیصلہ کیا تو میں نے تمام پرانے رفقاء کو تلاش کر کے اس میں شرکت کے لئے دعوت نامے بھیجے۔ خالد بھائی کو یہ دعوت نامہ ملا تو ان کی طرف سے معذرت کا ای میل موصول ہوا جس سے پہلی بار مجھے معلوم ہوا کہ وہ Hepatitis-C کے مرض میں مبتلا ہیں۔ بہرحال ان کی نیک خواہشات کا پیغام میں نے اجتماع کے کارکنان میں پیش کیا تھا۔ ہم سب نے ان کی صحت یابی کے لئے دعائیں کیں تھیں۔

خالد بھائی ایک مخلص اور خاموش طبیعت انسان تھے۔ وہ خاموشی کے ساتھ دعوت دین اور خدمت دین میں لگے رہے۔ ان کے مضامین جو میثاق اور تدبر میں شائع ہوئے ہیں ان سے ان کی قابلیت اور عظمت کا پتا چلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کی خدمات کو شرف قبولیت بخشے اور ان کو دائمی عزت اور شہرت سے سرفراز فرمائے ان کی مغفرت فرمائے اور ان کو فردوس اعلیٰ میں جگہ عطا فرمائے آمین۔

ایک بڑا سانحہ

برادر محترم خالد مسعود صاحب کا انتقال ہم سب کے لیے ایک بڑا سانحہ اور علمی دنیا کے لیے بڑا نقصان ہے۔ امر ربی کے آگے سر تسلیم خم مگر دل زخم خوردہ ہیں۔ میں ان کے رشحات قلم سے استفادہ کرتا رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور جنت کے اعلیٰ درجات میں جگہ دے۔

(پروفیسر خورشید احمد مدیر ترجمان القرآن)

اباجی...... کچھ یادوں کی روشنی میں

حسان عارف

حضرت انسؓ خادم رسولؐ جب حضورؐ کی تدفین کے بعد واپس آئے تو حضرت فاطمہؓ نے بڑے دکھ درد سے پوچھا: ''انس! تمھارے دل نے یہ کیسے گوارا کر لیا کہ تم حضورؐ کے جسم اطہر پر مٹی ڈالو؟'' اس سوال میں درد و کرب کی ایک دنیا پوشیدہ ہے جس سے حضرت فاطمہؓ کی روح فرسا کیفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ جب میں نے محترم محبوب بھائی کے ہمراہ اپنے ہاتھوں سے اباجی کی قبر پر مٹی ڈالی تو عملی طور پر اس وقت اس روایت کا درست مفہوم سمجھ میں آیا۔ اللہ ان کی قبر کو رحمت کے پھولوں سے بھر دے اور جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے۔

اباجی نے اسلامی ماحول کے ایک دینی گھرانے میں جنم لیا جس کے جد امجد قاضی حسن دین تھے۔ یہ گھرانہ ضلع جہلم کے مردم خیز قصبہ للہ میں صلاح و تقویٰ اور علم سے معروف تھا۔ ہمارا خاندان اعوان عرف جٹ سنادھا...... آج بھی اس علاقہ میں ایک علمی اور دینی گھرانے کی حیثیت سے ممتاز مقام رکھتا ہے۔ ہمارے دادا جان مولانا سیف الرحمن جید عالم دین اور ولی اللہ تھے جو سرکاری شعبہ تعلیم میں عربی کے استاد تھے۔ انھوں نے جامعہ نعمانیہ لاہور سے منشی فاضل کیا ہوا تھا اور زمیندار اخبار میں مضامین لکھا کرتے۔ دادا جان کا نوکری کے سلسلے میں جہاں بھی تبادلہ ہوتا وہ اباجی کو بھی ساتھ لے جایا کرتے۔ انھوں نے آپ کی درست تربیت، عمدہ عادات اور اخلاق حسنہ پر بہت توجہ دی۔ اس تربیت کا نتیجہ تھا کہ آپ شروع ہی سے پاکباز، پاک سیرت اور اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے۔ آپ نے عربی اور فارسی زبان اپنے والد محترم ہی سے سیکھ لی۔ ہماری دادی جان بھی نہایت نیک اور عبادت گزار خاتون تھیں۔ انھوں نے ساری عمر بچوں اور بچیوں کو قرآن مجید پڑھانے میں صرف کر دی۔ انھوں نے حج بھی کیا ہوا تھا۔

اباجی بتایا کرتے تھے کہ انھوں نے مولانا اصلاحیؒ سے صرف و نحو مولانا فراہیؒ کے طریقے پر بطریق مشق اور ان کی کتاب ''اسباق النحو'' پڑھی۔ اس کے بعد ان ہی کی کتاب امثال آصف الحکیم بطور ابتدائی ریڈر پڑھی۔ ریڈر کے بعد ادب میں مزید ترقی کے لیے کلیلہ و دمنہ اور اس کے بعد مقدمہ ابن خلدون پڑھا۔ مولانا اصلاحیؒ نے جب

محسوس کیا کہ اب آپ مقدمہ سے اخذ و مطالب میں کوئی مشکل محسوس نہیں کرتے تو انھوں نے اس کے بجائے دیوان حماسہ (ابوتمام) شروع کرا دیا تاکہ عربی زبان اس کے قواعد اور اس کے اسالیب سے ان کی نظر آشنا ہو جائے۔ قرآن مجید کے درس میں آپ نحو زبان، نظم کلام اور تاویل آیات کے بارے میں پڑھاتے۔ صحاح میں مسلم شریف سبقاً سبقاً پڑھی۔ اسرار دین میں شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغہ پڑھی اور فقہ میں ابن رشد کی کتاب پڑھی۔

جون ۵۹ء میں مولانا اصلاحیؒ نے میثاق شروع کیا تو آپ اس کے نائب مدیر بن گئے۔ آپ نے میثاق میں پہلا مضمون "ایک شہنشاہ وقت اور ایک فقیر بوریا نشین" کے نام سے لکھا۔ مولانا نے آپ کے انداز تحریر کو پسند کیا اور آپ کو مولانا فراہی کے مسودات کے ترجمہ کا کام سونپا جسے آپ نے زندگی کے آخری لمحے تک بڑے ہی احسن طریقے سے نبھایا۔ میثاق میں آپ کتابوں پر بے لاگ تبصرے کرتے۔ آپ کے تراجم اور مقالات بہت پسند کیے جاتے۔ ۱۹۶۲ء میں آپ کو اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان جانا پڑا تو مولانا اصلاحیؒ ان کے جانے کا میثاق کے اداریے میں یوں تذکرہ کرتے ہیں:

"ہمارے ایک رفیق ـــــ خالد مسعود صاحب ـــــ اب ریسرچ کے سلسلہ میں کچھ مدت کے لیے انگلستان جا رہے ہیں۔ ان کے جانے کے سبب سے یہاں میثاق کی ترتیب کے کاموں میں ایک بڑا خلل واقع ہوگا، لیکن امید ہے کہ دوسرے رفقاء ان کی کمی پوری کرنے کی کوشش کریں گے۔ خالد مسعود صاحب نے ماشاء اللہ علم دین میں اتنی ترقی کر لی ہے کہ ان کا ذاتی مطالعہ ان کی رہنمائی کے لئے کافی ہے۔ اب ہماری رہنمائی کے وہ محتاج نہیں ہیں۔ ان کی سلیم طبیعت سے ہمیں توقع ہے کہ وہ جہاں بھی رہیں گے دین اور علم دین کی خدمت کرتے رہیں گے"۔

(میثاق ـــــ اگست ۱۹۶۲ء)

ابا جی انگلستان سے واپس آئے تو مولانا اصلاحیؒ اپنے بیٹے ابوصالح کی ناگہانی وفات کے بعد لاہور سے پچاس میل دور ایک گاؤں رحمان آباد میں منتقل ہو گئے تھے۔ میثاق اور حلقہ تدبر قرآن کا سارا کام معطل ہو گیا۔ رحمان آباد میں مولانا اصلاحیؒ تدبر قرآن لکھنے میں مصروف ہو گئے۔ مولانا اصلاحیؒ کو تفسیر لکھنے کے دوران کچھ مشکلات پیش آتیں یا کتب سے مراجعت کی ضرورت ہوتی تو آپ ان کو مطلوبہ تعاون مہیا کرتے اور مسودات کی تبییض کا کام کرتے۔ تدبر قرآن کی چوتھی جلد کے دیباچہ میں مولانا اصلاحیؒ لکھتے ہیں:

"پاکستان میں مولانا فراہیؒ کے عربی مسودات پر میرے رفیق عزیز خالد مسعود سلمہ عرصہ سے کام کر رہے ہیں۔ میں ان سے بھی حل مشکلات میں برابر مدد لیتا رہتا ہوں۔ خاص کر اس جلد میں ان کی مدد سے میں نے بڑا فائدہ اٹھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم میں برکت دے اور وہ کتاب الٰہی کی زیادہ سے زیادہ خدمت کی توفیق پائیں"۔

نومبر ۱۹۸۰ء میں تدبر قرآن کی تکمیل ہو گئی تو آپ نے مولانا کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ قرآن کا درس اور

حدیث کے موضوع پر لیکچر دیں۔ اس کے لئے ''ادارہ تدبر قرآن وحدیث'' کی بنیاد رکھی گئی۔ آپ اس کے ناظم منتخب ہوئے۔ مولانا اصلاحیؒ نے درس حدیث کا آغاز اصول حدیث سے کیا۔ مولانا اصلاحیؒ نے موطا امام مالک مکمل پڑھائی اور اس کے بعد بخاری باب بدء الوحی سے لے کر کتاب الوضوء کے آخر تک اور کتاب البیوع سے کتاب الشہادات تک پڑھائی۔ آپ اور آپ کے رفقاء سعید احمد صاحب اور اسحاق علی صاحب نے مل کر ان تمام لیکچروں کو تحریری شکل دی اور ادارہ تدبر قرآن وحدیث کے زیر اہتمام تدبر حدیث کے نام سے کتابیں شائع کیں۔ وفات سے ایک دن ہی قبل آپ بخاری کی دوسری جلد کو ترتیب دے کر فارغ ہوئے تھے۔

زندگی کے آخری تین برسوں میں آپ کی صحت اُتار چڑھاؤ کا شکار رہی۔ تین سال قبل مفصل طبی معائنوں کے بعد اس بات کا پتہ چلا کہ آپ کو ہیپا ٹائٹس سی کا عارضہ لاحق ہوگیا ہے۔ اس کے بعد آپ کا علاج شروع ہوگیا۔ نو مرتبہ اس کی پیچیدگیوں کے باعث اسپتال لے جانا پڑا۔ آپ کو خون کی قے بار بار آ جاتی جو بے حد نقاہت پیدا کر دیتی۔ کبھی کبھی تو مسجد تک آنا جانا بھی دوبھر ہو جاتا۔ ۲۰۰۳ء میں جب صحت زیادہ خراب رہنے لگی تو آپ نے جناب محبوب سبحانی کی تحریک پر ''حیات رسول امیؐ'' کو مکمل کرنے کے لئے تیزی سے کام شروع کر دیا۔ ۱۲ ربیع الاول کو آپ نے کتاب مکمل کر لی۔

ابا جی کے علمی اکتسابات میں سب سے نمایاں مقام ان کی مایہ ناز تصنیف ''حیات رسول امیؐ'' کو حاصل ہے۔ اس کتاب کا ٹائٹل آپ نے میرے ساتھ بیٹھ کر خود ڈیزائن کروایا۔ آپ اسپتال ہی میں تھے جب کتاب شائع ہو کر آئی۔ ''حیات رسول امیؐ'' آپ نے دیکھی تو آپ یوں خوش ہوئے جیسے کوئی چھوٹا بچہ نیا کھلونا لے کر خوش ہوتا ہے۔ اسی دوران آپ اپنی بیماری بھول گئے۔ سیرت النبیؐ پر آپ کا یہ تحقیقی کام اپنے انداز کا ایک منفرد کام ہے۔ آپ نے اس سلسلے میں ایک نئی راہ اپنائی۔ آپ ایک حقیقت پسند سیرت نگار تھے۔ سیرت کو آپ نے قرآن کی روشنی میں پرکھتے ہوئے بے لاگ تبصرے اور تجزیے کیے۔ واقعات اور حقائق کو الجھانے کے بجائے سلجھایا ہے۔ آنے والے سیرت نگاروں کے لیے نئی راہوں پر قندیلیں جلائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے واضح بیان کی توفیق بخشی تھی۔ آپ نرم اور رواں انداز میں نتائج تحقیق کو بیان کرتے چلے جاتے ہیں اور قاری کو اپنا ہمنوا بنانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

وفات سے چار روز قبل آپ نے مجھ سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں ان کے کپڑے استری کر دوں تاکہ وہ مسجد میں جا کر جمعہ کی نماز ادا کر سکیں۔ بیماری کی وجہ سے تقریباً پانچ ماہ سے آپ مسجد نہیں جا سکے تھے۔ میں مسجد لے گیا۔ نماز پڑھنے کے بعد واپسی پر کہنے لگے کہ امام صاحب نے جن آیات کی تلاوت کی ہے ان کا مطلب جانتے ہو؟ میں نے نفی میں جواب دیا تو بتایا کہ ان آیات کو تو ہر انسان کو زبانی یاد ہونا چاہیے۔ جب ہم کسی میت کو دفن کرتے ہیں

تو مٹی ڈالتے وقت یہ دعا پڑھنی چاہیے۔ اسی رات میں نے خواب دیکھا کہ جنازہ رکھا ہوا ہے اور نماز تیار ہے۔ اتنے میں دیکھتا ہوں کہ اباجی بھی آجاتے ہیں۔ میں ان کو کہتا ہوں کہ آپ بھی نماز جنازہ پڑھیں گے؟ آپ کہتے ہیں کہ نہیں میں کہیں جا رہا ہوں۔ اتنے میں میری آنکھ کھل جاتی ہے۔ صبح اباجی سے اس خواب کا ذکر کرتا ہوں۔ آپ نے خوابوں کی تعبیر والی کتاب میں سے دیکھ کر یہ تعبیر بتائی کہ میں چند لوگوں میں بیٹھ کر فاتحہ پڑھ رہا ہوں گا۔ اب میں اباجی کی باتوں کو یاد کرتا ہوں تو اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ واقعی ان کو غیب کی طرف سے پہلے ہی کوئی اشارہ مل گیا تھا کہ اب رب سے ملاقات ہونے والی ہے۔

۳۰ ستمبر کی رات آپ کی طبیعت خراب ہوئی۔ اسپتال لے جایا گیا۔ رات کشمکش میں گزر گئی، خون کی بوتلیں اور آکسیجن لگا دی گئی۔ بلڈ پریشر تشویشناک حد تک گرا ہوا تھا۔ اس دوران اسپتال کے ڈپٹی میڈیکل سپرنٹنڈنٹ ڈاکٹر فدا خیریت دریافت کرنے آئے اور پوچھا: "مولانا! کیا حال ہے؟" اباجی نے جواب دیا کہ اللہ کا شکر ہے۔ حالانکہ دیکھنے والوں کو نظر آ رہا تھا کہ وہ کس قدر تکلیف میں ہیں۔ والدہ بھی کمر میں درد کی وجہ سے اسی ہسپتال میں داخل تھیں۔ بڑی ہمشیرہ نوافل پڑھنے کے لیے والدہ کے پاس چلی گئیں۔ ڈاکٹروں نے مجھے دوائیں لانے کا کہا۔ جب میں دوائیں لایا تو آپ کی طبیعت خاصی خراب تھی۔ برادر رؤف نظامی آپ کے پاؤں دبا رہے تھے۔ میں نے آپ کا بازو پکڑ لیا۔ اس وقت مجھے سورہ واقعہ کی وہ آیت یاد آ رہی تھی کہ: "جب تمھاری جان حلق میں آجاتی ہے تو تم اسے واپس کیوں نہیں لے آتے"۔ اس وقت اباجی نے میری طرف نگاہ ڈالی اور ایک بڑی ہچکی لی اور اپنی جان اللہ کے سپرد کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

روشن تھی جس کے دم سے کبھی بزم اہل دل
افسوس اب وہ شمع فروزاں نہیں رہی

اباجی "ہیپاٹائٹس سی" کی بیماری کی وجہ سے خاصی تکلیفوں کا شکار رہے۔ اس کے باوجود تمام عرصے میں کبھی دبی زبان سے کلمہ شکایت اور شکوہ احوال سننے میں نہیں آیا۔ رضا بالقضا اور صبر وضبط کی جو تعلیم مسلسل دیکھنے میں ملی اس کی کوئی قیمت نہیں بتائی جا سکتی۔ اپنی بیماری کو انھوں نے ہمارے لیے کبھی باعث آزار نہیں بنایا۔ آپ نے حیران کن حد تک منضبط زندگی گزاری۔ وقت مقررہ پر دوائیاں کھاتے۔ رات کو سوتے وقت اپنے سرہانے پانی کا گلاس خود رکھتے۔ صبح نماز کے بعد مطالعہ کرتے۔ ناشتہ کرنے کے بعد تصنیف وتالیف کے کام میں مشغول ہو جاتے۔ آپ کا قلم بڑا محتاط تھا۔ غیر ضروری بسط وتفصیل آپ کے مزاج کے خلاف تھی۔ طول کلام سے ہمیشہ اجتناب کرتے۔ آپ الفاظ کا انبار جمع کرنے کے بجائے حقائق ومعارف کے موتی چننے کے قائل تھے۔ دوپہر کو کھانا کھانے کے بعد عصر کی نماز تک آرام کرتے۔ عصر کی نماز پڑھنے کے بعد دوبارہ تصنیف وتالیف کے کام میں مشغول ہو جاتے۔ طبیعت میں

فرحت اور زندگی میں توازن پیدا کرنے کے لئے سیر کو لازمی سمجھتے۔ وفات سے کچھ عرصہ پہلے تک آپ کا یہ معمول رہا۔

آپ انتہائی شفیق باپ تھے۔ مجھے نہیں یاد کہ کبھی ہم بہن بھائیوں کو انھوں نے ہمیں مارا ہو بلکہ اگر کوئی بات سمجھانی ہوتی تو وہ نرمی سے سمجھا دیتے۔ ابا جی کی زندگی میں عقل وارادہ خودی اور عزت نفس کے باوجود دل اور دماغ کا بڑا حسین امتزاج رہتا۔ نہ اتنے روکھے کہ بس عقل ہی کے اشارے پر چلتے رہیں اور دل زندہ کے تقاضوں اور مطالبوں کو یکسر نظر انداز کر دیں۔ نہ اتنے نرم کہ باگ دل کو تھما دیں اور عقل وخرد کے تقاضوں کو فراموش کر دیں۔ نرمی اور سختی' جرأت وبے باکی اور رحمت والتفات' احتساب وسرزنش اور عفو ودرگزر کے دھارے ساتھ ساتھ بہتے تھے۔ اپنے ملنے جلنے کے انداز سے اپنی عظمت اور بڑائی ظاہر نہ ہونے دیتے۔ بڑے صاف گو تھے۔ لاگ لپٹ ظاہرداری اور مصلحت پسندی انھیں پسند نہ تھی۔ ناگوار باتوں کو دیکھ کر چپ رہنا یا چشم پوشی کر لینا پسند نہ کرتے تھے اور درست بات برملا کہہ دیتے۔ ابا جی بہت بڑے عالم تھے مگر انھوں نے کبھی اپنی علمیت کا اشتہار نہیں لگوایا۔ پبلک ریلیشن پر زیادہ توجہ نہ دی۔ آپ نام ونمود کی بجائے قرآن کی خاموش خدمت کرتے رہے۔ خودستائی اور خودنمائی کے بالکل عادی نہ تھے۔ زہد وتقویٰ کی ایک عمدہ مثال تھے۔

ابا جی کو اللہ نے دعاؤں کا بہت خاص ذوق بخشا تھا اور پھر قدرتی طور پر ان دعاؤں سے بہت خاص مناسبت تھی۔ ایک دعا بطور خاص مجھے یاد کرنے کے لیے کہہ کر دی۔

"اللھم انی اعوذ برضاك من سخطك و معافاتك من عقوبتك و اعوذبك منك"

(اے اللہ! میں تیری رضا کی پناہ میں آتا ہوں' تیری ناراضگی سے اور تیری معافی کی پناہ میں آتا ہوں۔ تیری سزا سے اور تیری پناہ میں آتا ہوں خود تجھی سے)

ابا جی کو میں اپنے لئے دعا کرنے کو کہا کرتا تو آپ کہتے کہ دعا کی قبولیت کی بعض شرائط بھی ہوتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ جن کے لئے دعا کی جا رہی ہو وہ خود بھی اس چیز کے طالب اور اس کے حاصل کرنے کے لیے کوشش کرنے والے ہوں۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر وہ میری جانب ایک قدم بڑھاتے ہیں تو میں ان کی طرف دس قدم بڑھاتا ہوں۔ اگر وہ دھیرے دھیرے چل کر آتے ہیں تو میں بھاگ کر ان کی طرف جاتا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ کوشش کا آغاز بندے کی طرف سے ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ بعد میں اپنی توفیق شامل کر دیتا ہے۔ دعا عملی کوشش کے بعد ہی سنی جاتی ہے۔

آپ جب بیمار ہوتے یا کسی پریشانی میں مبتلا ہوتے تو میں پوچھتا کہ آخر یہ مشکلات آپ پر کیوں؟ آپ تو خدا کو یاد رکھتے ہیں اس کے دین کی خدمت کرتے رہتے ہیں تو آپ ہنس کر کہتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی

پریشانیوں میں رہنمائی کے لیے بھی نشانیاں فراہم کرتا ہے۔ آپ مجھے تاکید کیا کرتے تھے کہ خدا سے مانگو۔ میرا تجربہ ہے کہ رب نے کبھی بے وفائی نہیں کی۔ اس کو آزما کر دیکھا ہے۔ قرآن بہتر سے بہتر چیز ہے جو میرے تصور میں آسکتی ہے۔

اباجی کو دو بار حج کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ جب آپ حج کی یادداشتوں کے بارے میں بتاتے تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ آپ بتاتے تھے کہ حرم شریف کی حاضری بڑی پر کیف ہوتی ہے۔ نمازیوں کے وسط میں طواف کرنے والوں کا اللہ کے گھر کا دیوانہ وار طواف ایسا خوبصورت منظر پیش کرتا ہے کہ اس کو دیکھتے آنکھیں نہیں تھکتیں۔ جی چاہتا ہے آدمی اسی کیف میں مستغرق رہے اور خود بھی طواف کرنے والوں میں شامل ہو جائے۔ طواف کرنے والے طواف کے دوران دیواروں سے لپٹ جاتے ہیں اور آہ وزاری کرتے ہیں' دعائیں مانگتے اور توبہ کرتے ہیں۔ بعض کا رونا اتنا بلند آہنگ ہوتا ہے کہ دوسرے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے۔ یہی جذبہ یہاں کا اصل جذبہ ہے۔ طواف سعی وغیرہ سب کی دعاؤں کا غالب عنصر گناہوں پر ندامت اور معافی کی طلب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحیح جذبہ کے ساتھ حج کرنے والوں کو یہ بشارت دی گئی ہے کہ وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جیسے ایک معصوم بچہ پاک ہوتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بیت اللہ سے اُنس پیدا ہو جاتا ہے جو بیان سے باہر ہے۔ حرم پاک سے جدائی کے تصور سے دل گرفتگی ہوتی ہے۔ یہی دل سے دعا نکلتی ہے کہ اے اللہ! دوبارہ یہاں بلانا اور اس نعمت سے تمام آل واولاد کو بھی نوازنا۔ سب کو نماز کا شوق دے اور اس نماز کا مرکز تیرا ہی گھر ہے۔ اس لیے ان کے اندر اس گھر سے وابستگی کی تڑپ پیدا کر۔

حج کے دوران ان کے شاگرد ڈاکٹر مستحسن میر صاحب نے گاڑی پر جبل نور' جبل رحمت' منیٰ' کوہ ثور کی سیر کرائی۔ آپ نے ڈاکٹر صاحب سے فرمائش کی کہ وہ ان کو ایک عمرہ مقام جعرانہ سے کرائیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں سے جنگ حنین سے واپسی پر آنحضرتؐ نے احرام باندھا اور ایک عمرہ کیا تھا۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب اپنی گاڑی اس مقام پر لے گئے اور اباجی نے عمرہ ادا کیا۔

حفیظ جالندھری نے اپنی شاعری کے بارے میں دعویٰ کیا تھا:

ع یہ نصف صدی کا قصہ ہے دو چار برس کی بات نہیں

اباجی کی قرآنی خدمت کا بھی یہی معاملہ ہے۔ ان کی دینی خدمات کا عرصہ بھی پچاس سال تک محیط رہا ہے۔ آپ کی زندگی کا مقصد وحید قرآن سیکھنا اور سکھانا رہا۔ آپ کا جدا ہونا ایک طرف تو انفرادی خلش ہے تو دوسری طرف ادارہ تدبر قرآن وحدیث کا ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ ان کا خلا کبھی پر نہ ہوگا کیونکہ ہر خلا کی خصوصیت ہی یہ ہے کہ وہ خود کو پُر کر لیا کرتا ہے' لیکن ایک بات کا مجھے یقین ہے کہ "فکر اصلاحی" کو دوسرا خالد مسعود

مدتوں میسر نہیں آئے گا۔ اللہ تعالیٰ ادارہ کے رفقا کو اس بات کی توفیق دے کہ وہ ادارہ تدبر قرآن وحدیث کے مشن کو جاری رکھیں ۔

ویراں ہے میکدہ خم و ساغر اداس ہیں
تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

علمی جانشیں

میں ۱۳؍اکتوبر کو اپنے گھر اعظم گڑھ گیا تھا۔ ۱۴؍اکتوبر کو مدرسۃ الاصلاح اساتذہ کرام سے ملاقات کے لیے گیا تو وہاں مولانا احتشام الدین صاحب اصلاحی کی زبانی ہم سب کے کرم فرما جناب خالد مسعود صاحب کے انتقال پرملال کی خبر ملی جس سے خاصا صدمہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور ان کی مغفرت فرمائے ـــــ آمین۔ مولانا مرحوم سے مدرسہ پر مولانا امین احسن اصلاحی سیمینار کے دوران پہلی بار ملاقات ہوئی۔ ان کی طیبت نے خاصا متاثر کیا۔ قرآن وسنت سے گہرا تعلق ان کی شخصیت کا بہت ہی نمایاں پہلو تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ اسی نسبت سے وہ تقریباً چالیس سال مولانا اصلاحیؒ کی تربیت و رفاقت میں رہے۔ بنیادی طور پر جدید تعلیم سے بہرہ ور ہونے کے بعد جس انہماک سے وہ علم قرآن وحدیث سے وابستہ ہوئے اور ان ہی علوم متبارکہ کی اشاعت میں پوری دلجمعی سے آخر وقت تک مصروف رہے، وہ بھی ایک مثالی چیز ہے۔ مولانا اصلاحیؒ کی وفات کے بعد اصلاً وہی ان کے علمی جانشیں تھے اور اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ انھوں نے اس کا حق بخوبی ادا کیا۔ ناچیز کی تحریروں کی جس انداز سے تحسین فرماتے تھے اس سے بڑی تقویت ملتی تھی۔ امید ہے ادارہ تدبر قرآن وحدیث کے رفقا، مرحوم کے مشن کو جاری رکھیں گے اور اس ادارہ کی سرگرمیاں بدستور قائم رہیں گی بالخصوص علم قرآن وحدیث کی اشاعت ہوتی رہے گی۔

(ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

ایک مخلص استاد

ڈاکٹر مستحسن میر

یوں تو خالد مسعود صاحب ان گنت خوبیوں کے مالک تھے اور ان کی زندگی کے کئی ایک پہلو اجاگر کرنے کے قابل ہیں، لیکن مجھے ان کی جس بات نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ ان کا خلوص تھا۔ یہ عنصر ان کی زندگی میں اتنا نمایاں تھا کہ شاید ہی کوئی شخص اس کو محسوس کیے بغیر رہا ہو۔ کسی مخلص آدمی کے ساتھ رابطہ ہو جانا ہی بڑی بات ہے، لیکن اگر وہ مخلص شخص بطور استاد کے مل جائے تو اس سے بڑی خوش قسمتی کیا ہو سکتی ہے۔ میں اپنے رب کا از حد شکر گزار ہوں کہ مجھے خالد مسعود صاحب جیسے مخلص استاد نصیب ہوئے۔

یہ آج سے ۳۰ سال پہلے کی بات ہے۔ اس وقت میں انجینئرنگ یونیورسٹی میں سیکنڈ ایئر کا طالب علم تھا۔ ہم ایک ہی محلہ میں رہتے تھے۔ اس زمانے میں خالد مسعود صاحب نے ایک حلقہ قائم کیا تھا جس میں پہلے تو عربی زبان کی تعلیم دی گئی اور پھر قرآن کی تفسیر کا دور شروع ہوا۔ اس حلقے کا اجتماع ان کے گھر کے مہمان خانہ میں مغرب اور عشاء کی نمازوں کے درمیان ہوتا۔ اس میں میری طرح عربی زبان سے ناآشنا نوجوان بھی تھے اور عربی اور قرآن کا علم رکھنے والے حضرات بھی۔ وہ وقت جب بھی یاد آتا ہے تو اپنے مرحوم استاد کے لیے دل سے دعا نکلتی ہے۔ ذرا سوچیں تو کیا خوب انسان تھے۔ اپنی تمام تر مصروفیات کو چھوڑ کر اپنے ہی گھر کے مہمان خانہ میں ایسے لوگوں کو دین کا صحیح فہم اور قرآن کا علم دے رہے ہیں جن سے ان کو کوئی دنیاوی غرض نہ تھی۔ بلکہ انھیں معلوم تھا کہ ہم میں سے شاید کوئی بھی خدمت دین کے لیے ہمہ وقت تیار نہیں ہوگا۔ بس ایک خلوص تھا کہ پڑھے لکھے نوجوانوں میں قرآن پر تدبر کرنے کا شوق پیدا ہو جائے۔

ایک عظیم استاد کی نشانی یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے طالب علموں کو اس بات کا احساس تک نہیں ہونے دیتا کہ وہ علمی لحاظ سے بہت کمتر ہیں۔ ہم میں سے ہر کوئی اپنی کم علمی کو مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوئے ان سے بحث کرتا۔ انھوں نے کبھی کسی کی دل شکنی نہیں کی بلکہ عقلی دلائل کی ہمیشہ حوصلہ افزائی کی اور مزید غور و فکر کے لیے ابھارا۔ ہر ایک

کے نقطۂ نظر کو غور سے سنتے اور پھر بہت دھیمے انداز سے جواب دیتے، لیکن اپنی رائے پر اصرار نہ کرتے۔ سننے والے کے لیے غور کرنے کی نئی راہیں کھول دیتے۔

ان کی وفات سے ہم پیچھے رہ جانے والوں کے لئے ایک خلا تو بہر حال پیدا ہو گیا ہے لیکن خود ان کے لئے اس سے بڑی سعادت کیا ہوگی کہ زندگی کا حق صحیح معنوں میں ادا کر کے اس جہان فانی سے رخصت ہوئے ہیں۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ میرے اس عظیم مخلص استاد کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے درجات بلند کرے۔ آمین۔

GREAT TEACHER

INNA LILLAH WA INNA ILAYHI RAJJI'OON. My deepest sympathy to the family of our great teacher Imam Khalid Masood and the associates of Halaqa Taddabur Quran & Hadith on his sad demise. We feel deprived of a legend who devoted his entire life for the awakening of mankind especially Muslim ummah following the mission of Prophets. He taught us Quran and Hadith taking help from works of Farahi and Islahi's with utmost dedication that can only be found in the earliest muslims of Qroon- I- oolla. He lost no opportunity in encouraging us that we make efforts in understanding Quran, Hadith and the universal vision of Islam. I cannot forget his help and encouragement during late seventies to the end of 1983 when he taught me as, a member of Halaqa, Arabic grammar, Quran, hadith at his home almost every day. I, my family and friends pray to Allah: May Allah grant him a best place in Jannah in the proximity of the Prophets and Saliheen and grant his family and associates saber to bear this irreplaceable loss and grant us ability to continue his mission. Amen.

(Ehsan-ul-haq, CANADA)

علم و حلم کا مجمع البحرین

پروفیسر عبدالخالق فاروقی

یکم اکتوبر ۲۰۰۳ء بروز بدھ کا آفتاب غروب ہونے کو تھا۔ میں کام سے گھر واپس آ رہا تھا۔ راستے میں جناب خالد مسعود کے سانحہ ارتحال کی اندوہناک خبر سنی۔ چند لمحے مجھ پر سکتہ طاری رہا۔ ان کے آبائی گھر پہنچا تو تصدیق ہو گئی کہ فراہی مکتب فکر کا خوشہ چین 'شارح' داعی اور محقق 'مولانا امین احسن اصلاحیؒ کا شاگرد خاص' ان کے علم کا وارث اور جانشین 'مدیر تدبر' قرآنی علوم کا عارف اور رمز شناس 'علم حدیث کا ماہر' اسباق النحو اور حیات رسول امیؐ کا مصنف خالق حقیقی کے حضور پہنچ چکا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

خالد مسعود صاحب نے ایم ایس سی کرنے کے بعد لاہور میں محکمہ صنعت میں لیبارٹری ریسرچ آفیسر کی حیثیت سے ملازمت اختیار کر لی۔ انھی دنوں منفرد مفسر قرآن اور معروف عالم دین مولانا امین احسن اصلاحیؒ جماعت اسلامی سے علیحدہ ہوئے تھے۔ جناب خالد مسعود قرآن مجید کی اعلیٰ پیمانے پر تعلیم حاصل کرنے کے لئے ان کی شاگردی میں آ گئے اور ان کے دامن سے ایسے وابستہ ہوئے کہ بس انھی کے ہو کے رہ گئے۔ پہلے یہ اور ان کے دوست جناب محبوب سبحانی مولانا کے شاگرد تھے۔ ان کے اخلاص اور استقامت کی برکت سے یہ حلقہ پھیلتا چلا گیا۔ ۱۹۶۱ء میں مولانا اصلاحیؒ نے باقاعدہ ایک حلقہ تدبر قرآن کے نام سے قائم کر دیا جس میں جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کو Direct Approach کے طرز پر قرآن و حدیث اور دینی تعلیم دینے کا اہتمام کیا۔ اس حلقہ کے متوسلین کو مولانا اصلاحی نے کمال دلجمعی کے ساتھ اعلیٰ عربی زبان و ادب کی تعلیم دی' حدیث کی کتاب مسلم شریف پڑھائی اور قرآن مجید کا تحقیقی درس دیا۔ جناب خالد مسعودؒ اس حلقہ کے درجۂ اول اور صف اول کے فیض یافتگان میں سے تھے۔ اس کے بعد مولانا اصلاحیؒ کی بیماری (۱۹۹۳ء) تک وہ مسلسل ان سے استفادہ کرتے رہے اور ہمیشہ طالب علم بن کر رہے۔ خود مولانا اصلاحیؒ جیسے یکتا عارف قرآن کو خالد مسعودؒ جیسے شاگرد پر ناز تھا۔ شاگردی کے ابتدائی دور ہی میں مولانا اصلاحی مطمئن ہو گئے تھے کہ ان کے پاس وہ نوجوان آ گیا ہے جو ان کے علم کا وارث بننے کی اہلیت رکھتا ہے۔

اس قسم کے کئی واقعات خالد مسعود صاحب سنایا کرتے تھے ایک بار انھوں نے بتایا کہ ایک دن میں مولانا اصلاحیؒ کے قریب کھڑا تھا۔ میرا منہ آگے کو تھا۔ مولانا کچھ دیر مجھے دیکھتے رہے پھر کہنے لگے: "اچھا! تم مجھے خواب میں اسی طرح دکھائے گئے"۔

علامہ خالد مسعودؒ نہایت ذہین، فطین، متین اور حد درجہ نیک طبیعت کے مالک تھے۔ انھوں نے غایت درجہ انہماک اور مکمل یکسوئی کے ساتھ مولانا اصلاحیؒ سے اکتساب علم کیا اور بڑی محنت سے فراہی اور اصلاحیؒ کے علم و فکر کو اپنے دل و دماغ میں جذب کیا۔ فراہی اور اصلاحی فکر کیا ہے؟ یہ کہ قرآن مجید ہی امت اور انسانیت کے اختلافات کے لئے میزان اور کسوٹی ہے اور ہمارے فکر و عمل کا محور قرآن مجید ہی کو ہونا چاہیے۔ قرآن مجید ہی ہمارے تمام علوم کی اساس اور بنیاد بنے۔ علامہ خالد مسعودؒ اس فکر کے نمائندہ عالم، شارح اور داعی تھے اور انھوں نے اس فکر کی ترویج و توسیع کو اپنی زندگی کا منتہائے مقصود بنائے رکھا۔

جون ۱۹۵۹ء میں ماہنامہ میثاق لاہور کا مولانا اصلاحیؒ کی ادارت میں اجراء ہوا۔ اس جریدے میں وہ مولانا کے معاون تھے۔ امام فراہی کی تصنیفات "فی ملکوت اللہ" اور "اسالیب قرآن" کے کچھ اجزاء کا اردو ترجمہ کئی شماروں میں شائع ہوا۔ اس کے علاوہ ان کے کئی اور مضمون بھی اس رسالہ میں شائع ہوئے تاہم ان کے علم کی جولانی اور قلم کی روانی اس وقت منظر عام پر آئی جب ادارہ تدبر قرآن و حدیث لاہور وجود میں آیا۔ اور اس ادارہ کے زیر انتظام مولانا اصلاحیؒ کی نگرانی میں سہ ماہی مجلہ "تدبر" کا اجراء ہوا اور وہ اس کے مدیر مقرر کیے گئے۔ مجلہ تدبر ایک وقیع علمی رسالہ کی حیثیت سے علمی دنیا میں متعارف ہوا۔ اہل فکر و بصیرت کی نگاہ میں علمی وقار کے حوالے سے اس کے معیار کا کوئی اور پرچہ نہیں تھا۔ بڑے بڑے اساطین علم اس "قند مکرر" کے ڈاک میں آنے کا بے تابی سے انتظار کرتے تھے۔ اس رسالہ سے لوگوں کو صرف ایک ہی شکایت رہی کہ یہ سہ ماہی کے بجائے ماہنامہ کیوں نہیں ہے۔ اس قسم کے سینکڑوں خطوط مدیر کو موصول ہوتے رہے۔ مدیر "تدبر" نے ہمیشہ قارئین سے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ رسالہ کے معیار کی قربانی دیے بغیر ان کی شکایت کا ازالہ نہیں ہو سکتا۔ رسالہ "تدبر" کو معیاری اور بلند پایہ علمی رسالہ بنانے میں مدیر کی جگر دوز کاوش اور قرآن و حدیث اور اسلامی ادب میں ان کے عمیق مطالعہ کا بڑا ہاتھ تھا۔

یہ رسالہ فکر فراہی اور فکر اصلاحی کی ترویج و اشاعت کا مؤثر ذریعہ بنا۔ افادات فراہی کے عنوان سے امام فراہیؒ کی بعض نایاب بلند علمی اور فنی کتابوں کا اردو ترجمہ ان کے قلم سے شائع ہوتا رہا۔ بعد میں ان کتابوں کو باضابطہ زیور طباعت سے آراستہ کیا۔ ان کتابوں میں "حکمت قرآن" اور "تفسیر قرآن کے اصول" بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ علامہ حمید الدین فراہیؒ کی ایک نہایت قیمتی اور علمی کتاب "اسالیب القرآن" تھی جس میں انھوں نے قرآن مجید کے اسالیب کو واضح کرنے کے لیے ۳۲ عنوان قائم کیے مگر افسوس یہ کتاب نامکمل اور ادھوری رہ گئی۔ علامہ خالد

مسعود نے اس مشکل فنی کتاب کو اپنی قرآنی تحقیق کا موضوع بنایا اور اس خلا کو پر کیا۔ اس میں انھوں نے اپنی تحقیق سے جا بجا اضافے کیے اور عنوانات کو مکمل کرنے کے لیے قرآن مجید سے ہر موضوع کی مثالیں جمع کیں۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی تین عظیم علمی کتابیں 'تزکیۂ نفس حصہ دوم' 'مبادی تدبر حدیث اور' 'فلسفہ کے بنیادی مسائل ـــــ قرآن کی روشنی میں'' بھی پہلے رسالہ 'تدبر' میں قسط وار شائع ہوتی رہیں۔ نیز مولانا کے دروس حدیث (بخاری اور موطا) بھی قسط وار مسلسل ''تدبر'' میں شائع ہو رہے ہیں۔ خالد مسعود صاحب نے سائنٹیفک انداز میں ان کی تدوین و تبویب کر کے ''تدبر حدیث بخاری جلد اول'' اور ''تدبر حدیث موطا امام مالک جلد اول'' کے نام سے ادارہ تدبر قرآن و حدیث کے زیر اہتمام شائع کیا۔ مولانا اصلاحیؒ نے فراہی مکتب فکر کی نمائندہ تفسیر نو ضخیم جلدوں میں ''تدبر قرآن'' کے نام سے لکھی۔ یہ تفسیر ہزاروں صفحات پر محیط ہے۔ اس مصروف ترین دور میں عام لوگ اتنی بڑی تفسیر سے کما حقہ استفادہ نہیں کر پاتے چنانچہ جناب خالد مسعودؒ نے اس عظیم القدر ضخیم تفسیر کی تلخیص حواشی کی صورت میں لکھی جواب فاران فاؤنڈیشن لاہور سے ''قرآن حکیم'' کے نام سے چھپ چکی ہے۔ تدبر قرآن کی تلخیص میں آپ کا امتیازی کام یہ ہے کہ ہر سورہ کا عنوان اور جامع موضوع انھوں نے خود متعین کیا ہے۔

رسالہ 'تدبر' میں اداریہ ''تذکرہ و تبصرہ'' کے عنوان سے زیادہ تر خالد مسعود صاحب خود لکھتے تھے۔ یہ اداریہ یا تو کسی علمی موضوع سے متعلق ہوتا یا قومی اور بین الاقوامی حالات کے کسی اہم پہلو پر تبصرہ ہوتا۔ ان کے لکھے ہوئے اکثر اداریے پرانے ہونے کے باوجود آج بھی افادیت کے حامل ہیں اور ان کی علمی تازگی ہنوز قائم ہے۔ فکر فراہی و اصلاحی کے وسیع تعارف کے حوالے سے علامہ خالد مسعودؒ نے رسالہ 'تدبر' میں امام فراہیؒ کا تصور حکمت' تحقیق حدیث و سنت کا فراہی منہاج' مولانا فراہیؒ کی علمی خدمات' مولانا اصلاحیؒ کی علمی خدمات' فراہی مکتب فکر اور خدمت کے عنوانات کے ساتھ جامع مضامین لکھے۔

جناب علامہ خالد مسعودؒ کی سیرت پر لکھی ہوئی کتاب ''حیات رسول امی'' ''تدبر'' رسالے میں قسط وار شائع ہوتی رہی۔ سیرت پر ان کی یہ کتاب علمی سرمایہ میں ایک قابل قدر اضافہ ہے اور ان کے نام کو زندہ جاوید بنانے کے لیے کافی ہے۔ اس کے مطالعہ سے قرآن فہمی اور سیرۃ فہمی کا دوہرا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ غرضیکہ ''تدبر'' رسالہ عظیم علمی وراثت کا امین رہا ہے اور قرآنی فکر اور نور حدیث کی اشاعت کے اعتبار سے دینی جرائد میں لاثانی مقام رکھتا ہے۔

جناب خالد مسعود نے قرآنی اور دینی علوم کی تحصیل کے ساتھ ساتھ اس روشنی کو آگے پھیلانے کے لئے بھی کام کیا۔ ان کے درجنوں شاگرد ہیں جن کو انھوں نے قرآن کی تعلیم دی۔ اکتساب علم کے بعد تمام عمر قرآن مجید کی تعلیم و تعلم میں گزار دی۔ اپنے گھر میں اور گھر سے باہر ہمیشہ درس قرآن کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان کا طریقہ تدریس نہایت مؤثر اور عام فہم تھا۔ اپنے شاگردوں کو سب سے پہلے بنیادی صرف و نحو پڑھاتے جب ان میں عربی زبان کی

شدید ہو جاتی تو درس قرآن شروع کرتے۔ علم کے بلند مقام پر فائز ہونے کے باوجود بھی اپنے عالم ہونے کا اظہار نہیں کیا۔ درس نہایت سلیس اور ہلکے پھلکے انداز میں ہوتا۔ کبھی بھاری بھرکم علمی اصطلاحیں استعمال نہ کرتے۔ درس وتدریس کے دوران ان پر کبھی خطیبانہ رنگ غالب نہیں آیا۔ وہ خطیب کم اور معلم زیادہ تھے۔

ادارہ تدبر قرآن وحدیث کے زیر انتظام ہفتہ وار تحقیقی درس قرآن مولانا اصلاحیؒ دیتے رہے۔ ۱۹۹۳ء میں جب مولانا نے بیماری اور نقاہت کی وجہ سے درس قرآن سے معذوری ظاہر کی تو بالاتفاق یہ مسند عالیہ علامہ خالد مسعودؒ کے نصیب میں آئی۔ انھوں نے ادارہ کے متوسلین کو دو سے زیادہ مرتبہ پورے قرآن کا تحقیقی درس دیا۔ جناب خالد مسعودؒ کے علمی کام کے اس مختصر جائزے سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ وہ صحیح معنوں میں فکر فراہی واصلاحی کے نقیب تھے۔

اخلاق وکردار میں وہ بے مثل تھے۔ ان کے کردار اور سیرت میں وقار، دھیماپن، تحمل مزاجی، ضبط نفس، متانت اور جمال کا عنصر غالب اور نمایاں تھا۔ ان کے قول وفعل میں مطابقت تھی۔ علم اور حلم کا مجمع البحرین تھے۔ ہر چند وہ علم کے اونچے مرتبے پر سرفراز تھے، لیکن نمود ونمائش اور اپنی شخصیت کی تشہیر سے ان کو وحشت تھی۔ تصوف کی زبان میں وہ زہد وفقر کا نادر نمونہ تھے۔ خاموشی اور سکون کے ساتھ اپنے کام میں مگن رہتے۔ اجنبی آدمی پہلی ملاقات میں ان کو زاہد خشک تصور کرتا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان کی شخصیت اور مزاج میں توازن تھا۔ بعض اوقات وہ ہنستے ہنساتے بھی تھے۔ جب نااہل دین داروں کی بے تکی باتیں سامنے آتیں تو مخصوص انداز میں قہقہہ لگاتے تھے۔ غصہ اور ناسازگار حالات میں وہ کاظمین الغیظ اور عافین عن الناس کی عملی تفسیر تھے۔ ان تمام باتوں کے باوجود علمی اختلاف رائے میں سمجھوتہ کرنے والے نہیں تھے۔ اپنے عظیم استاذ کی طرح جب وہ کوئی رائے خوب سوچ سمجھ کر قائم کر لیتے تو اس سے انحراف نہیں کرتے تھے۔ دینی معاملات میں دلیل کے قائل تھے۔ اپنے استاذ گرامی مولانا امین احسن اصلاحیؒ سے انھیں جو محبت اور عقیدت تھی اس کی مثال قرون اولیٰ میں ملتی ہو تو ملتی ہو دور حاضر میں شاید اس کی مثال نہ مل سکے۔ انھوں نے مولانا اصلاحیؒ کے فکر کو اپنایا اور زندگی بھر اس کو اوڑھنا بچھونا بنایا، لیکن اپنے وسیع مطالعہ اور قرآن مجید پر عمیق تدبر وتفکر کی بدولت کئی ایسے مقامات آئے جہاں انھوں نے اپنے استاذ سے اختلاف کیا اور اس کا اظہار بھی کیا۔ مولانا اصلاحیؒ کو بھی ان سے غیر معمولی محبت تھی اور انھیں نجی اور اجتماعی معاملات میں ان پر کامل اعتماد تھا۔ تفسیر تدبر قرآن لکھتے ہوئے ایسے موڑ بھی آئے جہاں مولانا نے جناب خالد مسعودؒ سے اپنی علمی مشکل کا اظہار کیا اور ان پر اس مشکل کا حل نکالنے کی ذمہ داری ڈال دی۔ انھوں نے اس ذمہ داری کو احسن طریقے سے پورا کیا کہ اکثر مرتبہ مولانا ان کی علمی تحقیق اور رائے کے قائل ہوئے۔ تفسیر تدبر قرآن کی کئی جلدوں میں مولانا اصلاحیؒ نے جناب خالد مسعودؒ کی علمی معاونت کا تذکرہ کیا ہے۔

جناب خالد مسعودؒ کی عمومی صحت نہایت اچھی رہی۔ وہ بڑے وجیہ اور خوبصورت انسان تھے۔ صبح باقاعدگی سے سیر کرتے لیکن ۱۹۹۰ء میں ان کو قلب کا عارضہ لاحق ہوا۔ ڈاکٹروں نے زیادہ سفر اور چلنے سے منع کر دیا لیکن اسی سال حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ وہ بتاتے تھے کہ میں نے حج کے ارکان پورے اطمینان قلب کے ساتھ ادا کیے اور کسی قسم کی تکلیف محسوس نہ ہوئی' تاہم بعد میں عارضہ میں اضافہ ہوتا گیا۔ ۱۹۹۲ء میں ان کے دل کا آپریشن ہوا' پھر کئی امراض نے آن گھیرا۔ ان بیماریوں کے علاج کے دوران میں ان کو سخت تکالیف اور پریشانی بھی دیکھنی پڑی' لیکن وہ صبر و شکر کا ایسا پہاڑ تھے کہ کبھی ''ہائے'' تک نہ کہا اور زبان پر بھی حرف شکایت نہ لائے۔ خود ان کے ڈاکٹر اور معالج حیران تھے کہ یہ مریض کوئی دیوتا ہے۔ یہ بیماریاں بالآخر جان لیوا ثابت ہوئیں۔ یہ علم کا اتھاہ سمندر اور کردار کی مضبوط چٹان یکم اکتوبر ۲۰۰۳ء بروز بدھ جناح ہسپتال لاہور میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملی۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

ان کا نعم البدل اب ہمیں کوئی بھی دکھائی نہیں دیتا۔ جب ہم ان کو آبائی گاؤں للہ میں ان کے دادا کے پہلو میں دفن کر رہے تھے تو میں زبان حال سے ان سے مخاطب تھا اور کہہ رہا تھا کہ ہم نے ہمیشہ آپ سے درخواست کی کہ چند ماہ یہاں قیام فرمائیں تاکہ ہم آپ کے علم سے فیض یاب ہو سکیں لیکن

ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!

آج آپ اس شہر خموشاں کو ہمیشہ کے لئے وقت دینے کے لئے خاک آسودہ ہو رہے ہیں۔

ع آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

آہ جناب خالد مسعودؒ!!

مولانا ضیاء الدین اصلاحی

یہ خبر علمی و دینی خصوصاً ترجمان القرآن مولانا حمید الدین فراہیؒ کے قدر دانوں اور ان کے علوم و افکار کے شیدائیوں کے لئے بڑی غم ناک اور روح فرسا ہے کہ یکم اکتوبر ۲۰۰۳ء کو رسالہ تدبر لاہور کے مدیر جناب خالد مسعود کا انتقال ہوگیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مرحوم مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے شاگرد رشید اور علمی وارث و جانشین تھے۔ انھوں نے اپنی زندگی فکر فراہی کی شرح و ترجمانی اور اس کی ترویج و اشاعت کے لیے وقف کر دی تھی' ان کی وفات سے ہم قرآن و حدیث کے ایک بڑے خدمت گزار سے محروم ہو گئے۔

مرحوم کو جگر کی بیماری تھی' خون کی رگ بار بار پھٹ جاتی تھی اور خون کی قے ہونے لگتی تھی' آخر اس بیماری نے ان کا کام تمام کر دیا۔

خالد مسعود صاحب ضلع جہلم کے ایک گاؤں ''کلہ'' میں ۱۶ر دسمبر ۱۹۳۵ء کو پیدا ہوئے۔ یہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور ۱۹۵۱ء میں نوشہرہ سے فرسٹ ڈویژن میں میٹرک اور ۱۹۵۵ء میں اسلامیہ کالج لاہور سے فرسٹ ڈویژن میں بی ایس سی کیا۔ ۱۹۵۷ء میں پنجاب یونیورسٹی سے کیمسٹری میں ایم ایس سی کیا۔ ۱۹۵۸ء میں انڈسٹریل ریسرچ لیبارٹریز سے وابستہ ہوئے پھر مزید تعلیم کے لئے لندن گئے اور ۱۹۶۵ء میں وہاں کے کنگز کالج سے کیمیکل انجینئرنگ میں ڈپلوما حاصل کیا' واپسی کے بعد ۱۹۷۴ء میں پنجاب یونیورسٹی سے علوم اسلامیہ میں ایم اے کیا۔ ۱۹۸۵ء میں قائد اعظم لائبریری میں ملازمت کی' اس سے وابستگی کے زمانے میں بچوں کے لیے آسان زبان میں متعدد مفید اور معلوماتی کتابیں تحریر کیں جو بہت مقبول ہوئیں اور بعض پر ان کو ایوارڈ بھی ملا' گو ان کتابوں میں فلکی طبیعیات کی جدید ترین تحقیقات کے نتائج اور کائنات کے بارے میں نئے افکار و نظریات پیش کیے گئے ہیں' تاہم

اسلامی نقطۂ نظر کو او جھل نہیں ہونے دیا۔

وظیفہ یاب ہونے کے بعد انھوں نے متعدد انگریزی کتابوں کو اردو جامہ پہنایا جو مقتدرہ قومی زبان اور اردو سائنس بورڈ وغیرہ نے شائع کیں۔

خالد مسعود صاحب نے گو جدید تعلیم حاصل کی تھی تاہم ان کو شروع ہی سے دین و مذہب سے شغف تھا اور دین دار گھرانے سے ان کا تعلق تھا' ان کی طبیعت میں سلامت روی کے ساتھ تلاش و تحقیق کا داعیہ تھا' اس لیے وہ روایتی اور خاندانی مسلمان بن کر نہیں رہنا چاہتے تھے بلکہ عربی زبان کی تحصیل کر کے براہ راست دین کو اس کے اصل ماٰخذ سے سمجھنا چاہتے تھے اور علی وجہ البصیرت مسلمان رہنا چاہتے تھے' فضل ربانی اور توفیق الٰہی نے یاوری کی اور ۱۹۵۸ء میں خوش قسمتی سے ان کی ملاقات دور حاضر کے قرآنیات کے سب سے بڑے عالم مولانا امین احسن اصلاحیؒ سے ہوئی تو گویا گوہر مراد ان کے ہاتھ آ گیا اور پھر مولانا کو چھوڑ کر انھوں نے کسی اور طرف نگاہ نہیں اٹھائی کہ

ع کس چیز کی کمی ہے خواجہ تری گلی میں

مولانا نے بھی ان کو ہونہار سمجھ کر اور ان کا ذوق و شوق دیکھ کر انھیں اپنے آغوش شفقت میں لے لیا۔ پہلے عربی زبان کی تعلیم دی جب اس کی استعداد پختہ ہو گئی تو مسلم شریف پڑھائی اور قرآن مجید کو سبقاً سبقاً پڑھایا' اس کے بعد وہ اپنے استاد کے علمی کاموں میں ان کا ہاتھ بٹانے لگے اور حوالے و مراجع کی تلاش میں بھی استاد گرامی کی مدد کرنے لگے' اس طرح مولانا کی تربیت نے ہیرے کو چمکا دیا اور خالد مسعود صاحب میں عربیت اور قرآن فہمی کا عمدہ ذوق پیدا کر دیا۔ مولانا نے جب نوجوان طلبہ پر مشتمل حلقۂ تدبر قرآن قائم کیا تو اس میں یہ بہت پیش پیش رہے' گو یہ حلقہ قائم نہیں رہ سکا مگر اس کے قیام پر اس وقت کے مشہور فضلا مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اور مولانا عبدالباری ندوی نے ان کو داد دی تھی۔

جناب خالد مسعودؒ کا جوش و حوصلہ' محنت و ریاضت اور اخلاص و طلب صادق دیکھ کر مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے ان کی رہنمائی میں بخل سے کام نہیں لیا' ان کے پاس جو کچھ تھا سب اس جوہر قابل کے حوالے کر دیا اور مولانا حمید الدین فراہیؒ سے قرآن مجید میں فکر و تدبر کے جو طریقے سیکھے تھے وہ ان کو بھی سکھائے اور علم و معرفت اور حکمت کا جو خزانہ انھیں بارگاہ حمید سے ملا تھا اسے اور مولانا فراہی کے مسودات بھی ان کے سپرد کر دیے۔ چنانچہ جب مولانا نے میثاق نکالا' اسی زمانے سے اس کا مستقل باب افادات فراہی خالد مسعود صاحب کے ذمہ ہو گیا تھا جس میں وہ برابر مولانا کے افکار و خیالات کی ترجمانی کر رہے تھے۔

۱۹۸۰ء میں حلقۂ تدبر قرآن کو ادارۂ تدبر قرآن و حدیث کا نام دیا گیا اور اس کے زیر اہتمام رسالہ تدبر جاری کیا گیا تو چند شماروں کے بعد اس کی ادارت کی ساری ذمہ داری ان ہی کے سپرد کر دی گئی' مولانا امین احسن

صاحب پیرانہ سالی کی وجہ سے درس قرآن دینے سے معذور ہو گئے تو اس میں بھی ان کی قائم مقامی کا شرف ان ہی کو حاصل ہوا' غرض فکر فراہی ان کے دل و دماغ میں پوری طرح رچ بس گیا تھا۔ ۱۹۹۹ء میں مولانا اصلاحی پر سرائے میر میں جو سیمینار ہوا' اس میں ان کے آ جانے سے اس کا وزن و وقار بہت بڑھ گیا تھا۔

خالد مسعود صاحب کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے مولانا فراہیؒ اور مولانا اصلاحیؒ کے بعض غیر مرتب اور نامکمل کاموں کو مرتب و مکمل کیا اور ان میں حسب ضرورت اور وقت کے اقتضا کے مطابق توسیع و اضافہ بھی کیا اور مولانا اصلاحیؒ کے بعض امالی کو بھی ترتیب و تہذیب کے بعد شائع کیا۔ اس سلسلے میں تدبر حدیث کے نام سے مؤطا و بخاری کے منتخب ابواب کی شروح شائع کیں۔ ان کی تفسیر کی تلخیص اور ترجمے کو تفسیر سے الگ کر کے ''ترجمہ قرآن حکیم'' کے نام سے شائع کیا۔ اس کے ساتھ اپنے تصنیفی کام بھی برابر انجام دیتے رہے۔ انتقال سے چند مہینے پہلے سیرت پر ان کی عظیم الشان کتاب ''حیات رسول امی'' شائع ہوئی تھی' اس کے بعض حصے میں نے رسالہ تدبر میں جب پڑھے تو مجھے اس میں ان کا انفرادی رنگ صاف نظر آیا اور ۱۹۹۹ء میں جب ملاقات ہوئی تو میں نے اپنا یہ تاثر ان سے بیان کیا غالباً اسی لیے کتاب چھپتے ہی انھوں نے میرے پاس بھیجی' میں اس پر تبصرے کے لئے فرصت و اطمینان کا منتظر تھا' مجھے کیا پتا کہ وہ اتنی جلدی رخت سفر باندھ لیں گے۔

خالد مسعود صاحب کا علم و مطالعہ وسیع تھا' ان کو اردو' عربی' فارسی اور انگریزی پر عبور تھا جن سے انھوں نے اپنے مضامین اور کتابوں میں خاطر خواہ فائدہ اٹھایا۔

ان کا جو حلیہ اور سراپا میرے ذہن میں تھا میں نے ان کو اس کے بالکل برعکس پایا' ان کا چہرہ بڑا نورانی تھا اور وہ خالص دینی وضع قطع کے شخص تھے' اپنے علم و فضل کی طرح تقویٰ و طہارت میں بھی ممتاز اور عابد و زاہد اور شب بیدار تھے' بڑے خوش مزاج و خوش اخلاق تھے' غرور و نخوت کا شائبہ بھی ان میں نہ تھا' اہل علم اور علمائے حق کی طرح ان کی طبیعت میں بڑا انکسار' تواضع اور فروتنی تھی' اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا کرے' آمین۔

وہ اس مشن کے علم بردار تھے جس کے علم برداران کے استاد مولانا امین احسن اصلاحیؒ تھے۔ مولانا اصلاحیؒ کا یہ بڑا کارنامہ ہے کہ انھوں نے اپنے استاد مولانا حمید الدین فراہیؒ اور ان کے فکر سے اہل علم کو متعارف کرایا' ان کے بعد یہی کام ان کے لائق شاگرد جناب خالد مسعودؒ انجام دے رہے تھے' اب ان کے رفقا خصوصاً جناب جاوید احمد غامدی وغیرہ پر یہ بڑی ذمہ داری آ گئی ہے' دعا ہے کہ یہ تمام حضرات مولانا فراہیؒ و اصلاحیؒ اور جناب خالد مسعودؒ کے نور بصیرت کو عام کرتے رہیں اور ایک چراغ سے دوسرا چراغ جلتا رہے۔

ایک درویش صفت جلیل القدر محقق

سید احسان اللہ وقاص

مجھے اپنی زندگی میں جن جلیل القدر افراد سے ملنے کی سعادت ہوئی اور جن عظیم المرتبت لوگوں کو دیکھنے اور سننے کا موقع ملا ہے ان شخصیات میں سے ایک اہم شخصیت خالد مسعود صاحب کی تھی۔ کبھی کبھار مجھ پر شفقت فرماتے کہ میرے ہاں تشریف لے آتے۔ ان کی یہ شفقت بھی مجھ کو حاصل تھی کہ جب بھی وہ نئی کتاب شائع کرتے تو اہتمام کے ساتھ مجھے ضرور بجھواتے۔ علامہ خالد مسعود صاحب نے ایک پورے ادارہ کا کام تن تنہا بڑی خاموشی اور عاجزی سے کیا۔ دین کی خدمت اس محبت سے کی کہ اس کا ثانی ہمیں کوئی نظر نہیں آتا۔

میں نے ان کی مرتب کردہ "تدبر حدیث" کی دونوں جلدیں پروفیسر خورشید احمد صاحب کی خدمت میں پیش کیں تو چند روز بعد ان کا ٹیلی فون آیا اور فرمانے لگے کہ میں نے دونوں جلدیں پڑھ لی ہیں اور یہ سمجھتا ہوں کہ اس صدی کے دینی لٹریچر کی بہترین کتابوں میں ان دو جلدوں کا بھی شمار ہوتا ہے۔ اور یہ کارنامہ جناب خالد مسعودؒ کا تھا کہ انھوں نے اپنے عظیم استاد مولانا امین احسن اصلاحی کی محنت کو محفوظ کیا اور صفحات پر منتقل کر دیا۔ جناب خالد مسعودؒ ایک بڑے جید عالم دین تھے لیکن آپ کو ان کی صحبت میں بیٹھ کر یہ احساس نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ یہ محسوس ہونے ہی نہیں دیتے تھے کہ آپ کسی بہت بڑے عالم دین کے پاس بیٹھے ہیں۔ لیکن ان کی نپی تلی مدبرانہ اور علمی گفتگو سے یہ اندازہ کرنا ہرگز مشکل نہ تھا کہ وہ ایک اعلیٰ پایہ کی علمی شخصیت ہیں۔ میں نے ان کے دینی اور دیگر علمی کام (مثلاً نیوٹن اور ہیکس کی مشہور عالم کتابوں کے اردو ترجمہ وغیرہ) دیکھے۔ ان کے علم کے ساتھ اور اپنے گرامی قدر استاد کے ساتھ محبت کو دیکھا تو اندازہ ہوا کہ وہ اس دور کی قابل فخر علمی شخصیات میں سے ہیں۔ بلکہ میں دیانت داری سے یہ بات کہتا ہوں ان کا شمار اس صدی کے برصغیر کے ممتاز محققین میں ہونا چاہیے وہ ان کی ہی صف کے آدمی تھے۔ افسوس ایسا عظیم الشان شخص ہم سے رخصت ہو گیا ہے۔ قحط الرجال کا پہلے ہی دور ہے بدقسمتی سے یہ زمانہ تو جھوٹی شان اور جھوٹی انا رکھنے والوں کا ہے۔ اپنی وردیوں پر جھوٹے تمغے سجا کر لوگوں پر رعب ڈالنے کا زمانہ ہے۔ جس دور میں لوگوں پر دھونس کے ذریعہ اپنا علمی سکہ بٹھایا جا رہا ہو اور گلہ پھاڑ پھاڑ کر اپنے علم کا چرچا کیا جا رہا ہو۔ ایسے دور میں محترم خالد مسعودؒ کا چلے جانا پاکستان اور ملت اسلامی کا بہت بڑا نقصان ہے۔ ان کے جانے سے علمی و فکری دنیا میں بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جنت کے اعلیٰ درجات عطا فرمائے۔ آمین۔

مسندِ اصلاحیؒ کے امین کی یاد میں

عارف علوی

صاحب تدبر قرآن مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے تلمیذِ رشید مولانا خالد مسعودؒ اپنے استاذ گرامی کے علمی ورثے کو جس تواتر اور سرعت کے ساتھ منظرِ عام پر لائے' کسے معلوم تھا کہ فرائض منصبی کی تکمیل میں یہ تیزی خالق حقیقی کی طرف ان کی رحلت کا پیش خیمہ بنے گی ورنہ اپنے استاذ گرامی کی وفات کے بعد پانچ برس کی مختصر مدت میں مسلسل علالت کے باوجود تصنیفی کام کی اس قدر کثرت حیران کن محسوس ہوتی ہے۔

جناب خالد مسعود کو ۱۹۵۸ء میں مولانا امین احسن اصلاحیؒ سے شرف تلمذ حاصل ہوا۔ قرآن' حدیث' ادب' فلسفہ اور عصری و تقابلی علوم کی تحصیل کے بعد انھوں نے اپنے استاذ گرامی کی سرپرستی میں خدمت دین کے لئے خود کو وقف کر دیا اور دم واپسیں تک اسی کام کو مقصدِ حیات بنائے رکھا۔ آپ مولانا اصلاحیؒ کی زندگی ہی میں ادارۂ تدبر قرآن و حدیث کی نظامت اور سہ ماہی ''تدبر'' کی ادارت کی ذمہ داریاں ادا کرتے رہے پھر جب ۱۹۹۸ء میں مولانا امین احسن اصلاحیؒ اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے تو اس کے بعد مولانا خالد مسعودؒ نے اپنی تمام تر توانائیاں مکتب فراہیؒ کے عظیم علمی ورثے کو سمیٹنے اور محفوظ کرنے میں صرف کر دیں۔ انھوں نے مولانا اصلاحیؒ کے عظیم المرتبت استاذ مولانا حمید الدین فراہیؒ کے عربی مسودات کی ترتیب و تدوین کر کے اردو زبان میں ''تفسیر قرآن کے اصول'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع کیا۔ اس سے متصلاً بعد اپنے استاذ گرامی کے افادات پر مبنی کتاب ''اصول فہم قرآن'' کو زیور طباعت سے آراستہ کر کے منظرِ عام پر لائے۔ آپ کے جلیل القدر استاذ کی عظیم الشان تفسیر ''تدبر قرآن'' جو کہ مکتب فراہی کی عظیم علمی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے اور نو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ عوام الناس کی اس تک رسائی قدرے مشکل ہے۔ مولانا خالد مسعودؒ نے اس عظیم الشان تفسیر کے ترجمہ اور اپنی مختصر تلخیص پر مبنی ''ترجمہ قرآن'' کو ایک جلد میں شائع فرما کر شمع قرآن کے پروانوں پر احسان عظیم کیا۔ یہ مولاناؒ ہی کا مقام تھا کہ اپنے استاذ گرامی کی وقیع تفسیری

تشریحات کی روح کو برقرار رکھتے ہوئے اسے مختصر حواشی کا جامہ پہنا کر گویا 'تدبر قرآن' کے بحرِ ذخار کو کوزے میں بند کر دیا۔ انشاء اللہ العزیز یہ ترجمہ 'قرآن' عوام الناس کو قرآن حکیم کی آیات اور سورتوں کی تفسیر و تاویل اور اس کے سیاق و سباق سے مربوط و متعین کرنے کے اس تصورِ نظم قرآن سے روشناس کرانے کا ذریعہ بنے گا جسے وارثانِ مکتب فراہی نے پہلی مرتبہ اس تفصیل سے متعین صورت میں پیش فرمایا کہ کلام الٰہی کی جلالتِ شان نکھر کر قاری پر واضح ہوتی ہے جو اسے عمل بالقرآن والسنۃ اور اس کے ابلاغ پر ابھارتی ہے۔

مولانا اس عظیم الشان ذمہ داری سے سرخرو ہونے کے بعد اپنے استاذ گرامی کے اس علمی کارنامہ کو منظر عام پر لانے کی طرف متوجہ ہوئے جو انھوں نے دین متین کے اہم ترین سرچشمہ یعنی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح و توضیح کے باب میں انجام دیا۔ مولانا اصلاحیؒ جو علم حدیث میں جامع ترمذی کے شارح اور عظیم محدث مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوریؒ سے سند فراغت رکھتے تھے انھوں نے تفسیر تدبر قرآن کی تکمیل کے بعد ۱۹۸۰ء سے ادارہ تدبر قرآن و حدیث کے تحت دروس حدیث کا سلسلہ شروع فرمایا جو ان کی وفات سے چند سال قبل تک تسلسل سے جاری رہا۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے لیے ضعیف العمری میں حدیث شریف کی شرح لکھنا ممکن نہیں تھا لہٰذا انھوں نے ادارہ تدبر قرآن و حدیث میں موطا امام مالک اور صحیح بخاری کے منتخب ابواب پر دروس دیے۔ یہ دروس ٹیپ پر ریکارڈ کر لیے گئے۔ بعد ازاں ان کو ٹیپ سے اتار کر تحریر کے اسلوب میں لایا گیا۔ یہ کام سعید احمد صاحب اور سید اسحاق علی صاحب نے سرانجام دیا۔ مولانا خالد مسعودؒ نے اس کی ترتیب و تدوین کر کے اسے کتابی شکل میں ادارہ تدبر قرآن و حدیث سے شائع کیا۔

مولانا خالد مسعودؒ نے جس طرح "تدبر قرآن" کو ایک جلد میں پیش کر کے متلاشیان حق کی علمی غذا کا سامان کیا اسی طرح اپنی وفات سے دو ماہ قبل "حیات رسول امیؐ" کے نام سے سیرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو کتابی صورت میں شائع کر کے جہاں اپنے لیے توشۂ آخرت تیار کیا وہیں شمع رسالتؐ کے پروانوں پر بھی احسان عظیم فرمایا۔ بلاشبہ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہ اچھوتا اور ہر دلعزیز موضوع ہے جس پر ہر زبان میں ان گنت اور بیش بہا قیمتی کتب موجود ہیں اور قیامت تک محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مظاہر اس شمع کی لو کو تیز کرتے ہی رہیں گے لیکن مولانا خالد مسعودؒ نے سیرت پر چھ سو صفحات پر مبنی جو کتاب قلمبند کرنے کی سعادت حاصل کی ہے وہ بلاشبہ کتب سیرت میں ایک منفرد اور بلند مقام حاصل کرے گی۔ سیرت نگاری میں یہ پہلی مربوط کوشش ہے جو روایات سیرت سے استفادہ کرنے کے ساتھ ساتھ قرآن حکیم کی روشنی میں سیرت رسولؐ کو پیش کرتی ہے۔ بلاشبہ یہ اہم ترین شعبہ تھا جس پر مولانا اصلاحیؒ کی خواہش کے باوجود فکر فراہیؒ کی علمی روایت کی روشنی میں تصنیف موجود نہیں تھی۔ مولانا خالد مسعودؒ نے اپنے جلیل القدر استاذ کی اس خواہش کو "حیات رسول امیؐ" کی صورت میں عملی جامہ پہنا کر نہ صرف

اس خلا کو پُر کیا ہے بلکہ مکتب فراہیؒ کے ذخیرۂ علمی میں خوبصورت اضافہ کرنے کا سبب بنے ہیں۔

مولانا خالد مسعودؒ کا آبائی تعلق ضلع جہلم کے قصبہ للہ سے تھا اور وہ وہیں آسودہ خاک بھی ہوئے ہیں لیکن اپنے جلیل القدر استاذ کے اسلوب میں لکھی گئی ان کی تحریریں پڑھ کر قاری کیلئے یہ یقین کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ اس قدر رشتہ اور اعلیٰ ادبی اسلوب کسی ایسے شخص کا ہو سکتا ہے جو مرکز اردو سے سینکڑوں میل دور سرزمین کا باسی ہو۔

؎ ایں سعادت بزور بازو نیست

مولانا عالم باعمل اور اعلیٰ ترین اخلاق کے مالک تھے۔ ان کی سادہ طبیعت، شگفتہ مسکراہٹ اور مشفقانہ ملنساری پہلی ہی ملاقات میں اجنبی کو اپنا گرویدہ بنا لیتی۔ ٹھاٹھ باٹھ سے خالی شخصیت پا کر کسی اجنبی کیلئے یہ بات خوشگوار انکشاف کا باعث ہوتی کہ وہ وقت کے ایک بڑے عالم کے سامنے بیٹھا ہے۔ لیکن علمی رسوخ کی یہ شان کہ قرآن و سنت کے پیچیدہ سے پیچیدہ اشکال کو چند جملوں میں یوں حل فرما دیتے کہ سائل حیران رہ جاتا کہ اس قدر سیدھے مسئلے کو میں لاینحل سمجھے بیٹھا تھا۔ اپنے ملاقاتی پر ایسا خوشگوار تاثر چھوڑتے جسے کبھی فراموش نہ کیا جا سکے۔ ایسی ہی ان کی محبتیں اور شفقتیں ہیں جو بھلائے نہیں بھولتیں اور انہی خوبصورت یادوں نے مجھ سے عامی کو ایک عظیم عالم دین کا تذکرہ کرنے پر مجبور کیا جو اپنی کم مائیگی کے سبب ان کی ہمہ پہلو شخصیت کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

مولانا خالد مسعودؒ کے بچھڑنے پر مجھے یہ روایتی جملہ اپنے حقیقی رنگ میں دکھائی دے رہا ہے کہ ان کی وفات سے جو علمی خلا پیدا ہوا ہے وہ کبھی پُر نہ ہو سکے گا۔

اللہ تعالیٰ سے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے دعا ہے کہ وہ مولانا کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مرتبہ عطا فرما کر منعم علیہ گروہ کی معیت عطا فرمائے اور ان کے علمی سرمایہ کو تا قیامِ قیامت ان کے لئے صدقۂ جاریہ بنائے نیز جس شمع علمی کو مولانا خونِ دل سے سینچتے رہے اللہ تعالیٰ اسے مولانا کے شایانِ شان جانشین عطا فرما کر تا قیامِ قیامت فروزاں رکھے اور اللہ تعالیٰ مولانا کے نسبی اور علمی پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

Fikr Islahi's Pillar

Amin Islahi's fikr lost another pillar. He has been good pupil of Islahi and very good communicator on his thought. I still remember hosting a meeting in his honour at my Res. in Islamabada As I heard a lot about him from Ehsan-ul-Haq, being a public servant, he showed great character, integrity and honesty at his position.May Allah bless him a place in paradise and promotes his work.

(Wasim Abbasi, CANADA)

سید الطائفہ

ڈاکٹر اجمل اصلاحی

انا للہ وانا الیہ راجعون○ عظم اللہ اجرکم و أحسن عزاءکم

مولانا خالد مسعودؒ کے انتقال کی خبر ہندوستان سے والد معظم مولانا محمد ایوب اصلاحی مدظلہ اور لندن سے برادر خورد ڈاکٹر محمد راشد اصلاحی نے دی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور جس اخلاص اور جانفشانی سے انھوں نے کتاب الٰہی کی خدمت کی' اس کا صلہ عطا فرمائے۔

مرحوم کا نام سب سے پہلے مدرسۃ الاصلاح کی طالب علمی کے دور میں ماہنامہ میثاق میں ''افادات فراہی'' کے ساتھ دیکھا۔ اس کے بعد ایک طویل عرصہ گزرا' انھوں نے کتنی ہی کتابیں اور مضامین لکھے' مگر ذہن کی لوح پر اب بھی ان کا نام اور افادات فراہی کا عنوان دونوں لازم وملزوم کی طرح ابھرتے ہیں۔ یہ تجویز بارہا سامنے آئی اور ان کی خدمت میں بھی لکھا کہ ''افادات فراہی'' کو مجموعہ کی صورت میں چھاپا جائے۔

مولانا اصلاحی کے تلامذہ میں مرحوم کا مقام ''سید الطائفہ'' کا تھا۔ استاد کے ساتھ رفاقت کا عہد انھوں نے نہایت استواری اور استقامت کے ساتھ نبھایا۔ مولانا کے تصنیفی کاموں میں ان کی معاونت کی' عہد پیری میں ان سے استفادے کی راہ نکالی اور ان کے دروس ومحاضرات کو دوسرے رفقاء کے اشتراک وتعاون سے قلمبند کرنے کا اہتمام کیا۔

افسوس کہ مرحوم سے ایک ہی بار ملاقات کی سعادت حاصل ہوئی۔ ۱۹۹۱ء میں لاہور میں مولانا اصلاحیؒ کی مجلس میں دو روز انھیں دیکھا' اس کے بعد اصل ملاقات اگرچہ بہت مختصر اور تشنہ رہی' مرحوم کے دولت کدے پر ادارے کے رفقاء کے ساتھ ہوئی۔ ان نشستوں میں مرحوم کی شرافت ومتانت اور سادگی ونیک نفسی کا نقش دل پر قائم ہوا۔ ایک اور ملاقات کا امکان ۱۴۱۷ھ کے حج میں پیدا ہوا تھا۔ مرحوم نے اپنے سفر کی تفصیلات سے مطلع بھی فرمایا تھا

اور اس سال میں اپنی بڑی بیٹی کے ساتھ حج کرنے بھی گیا تھا مگر پہلے ہی روز منیٰ میں آتش زدگی کا سنگین حادثہ وقت کی تنگی اور قافلے کی پابندی نے ملاقات کا موقع نہ دیا جس کا شدید قلق مجھے بھی ہوا اور مرحوم کو بھی۔ مدینہ منورہ کے زمانہ قیام میں حجاج اور معتمدین سے ملاقات اور خدمت کے جو مواقع میسر آتے تھے، ریاض آنے کے بعد ان سے محروم ہو گیا۔

مولانا اصلاحیؒ پر مدرسۃ الاصلاح میں جو سیمینار منعقد ہوا اس میں مرحوم کی شرکت مدرسۃ الاصلاح کے وابستگان کے لیے غایت درجہ شادمانی کا باعث تھی۔ ملازمت کی قیود نے مجھے اس سیمینار میں اور اس سے قبل امام فراہی سیمینار میں بھی شرکت سے محروم رکھا۔ یوں پاکستان سے باہر ملاقات کے یہ دو مواقع بھی میرے لیے مفید ثابت نہ ہو سکے۔

مولانا خالد مسعود صاحب کتنے خوش قسمت تھے کہ زندگی بھر کتاب اللہ کی خدمت کی اور جب اپنے رب کے پاس جانے کا وقت آیا تو ''حیات رسول امیؐ'' کی سوغات لے کر حاضر ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کی خدمت اور یہ سوغات دونوں کو قبولیت کا شرف عطا ہو اور رسول اللہؐ کی معیت اور شہدا و صالحین کی رفاقت نصیب ہو۔ حلقۂ فراہی و اصلاحی میں ان کے اٹھ جانے سے ایک زبردست خلاء پیدا ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ادارہ تدبر قرآن و حدیث کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔

قرآن کا ایک عظیم خادم

یہ معلوم کر کے دل کو انتہائی صدمہ پہنچا کہ مولانا خالد مسعود صاحب انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا مرحوم جب مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کے اصلاحی سیمینار میں شریک ہوئے تھے تو میری ان سے ملاقات ہوئی۔ مولانا مرحوم قرآن و حدیث کے ایک عظیم خادم تھے۔ فکر فراہی کے ایک نمایاں شارح و ترجمان تھے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کی خدمات کو شرف قبولیت بخشے، مغفرت فرمائے اور جنت میں بلند درجات سے سرفراز فرمائے اور جملہ پسماندگان اور تمام وابستگان ادارہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

(عبد السیب اصلاحی۔ جامعۃ الفلاح۔ بلریا گنج۔ بھارت)

شگفتہ یادوں کا مجموعہ

ڈاکٹر شہباز حسین

قحط الرجال کے اس دور میں اللہ کے دین کے سچے خادم خال خال ہی ملتے ہیں۔ اب تو دین بھی ایک طرح سے کاروبار بن گیا ہے اور لوگوں نے اسے بھی مادی ترقی کا ذریعہ بنا لیا ہے' لیکن اس اندھیر نگری میں کہیں کہیں کوئی چراغ مل جاتا ہے جس کی کرنیں صبح علم کا پیغام دیتی ہیں۔ جناب خالد مسعودؒ کا شمار بھی ان ہی چراغوں میں ہوتا تھا مگر افسوس کہ یہ شمع بھی یکم اکتوبر ۲۰۰۳ء کو بجھ گئی۔

میں اپنے آپ کو بڑا خوش نصیب سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اتنا کرم کیا کہ ایسے خادم دین سے قرآن پاک پڑھنے کا موقع ملا۔ میں اسے اپنی زندگی کا حاصل اور ایک بہترین انعام سمجھتا ہوں' بلکہ اگر میں یہ کہوں تو غلط نہ ہو گا کہ میری زندگی کا رخ متعین کرنے اور اسے بامعنی بنانے میں جس چیز نے اصل کردار ادا کیا' وہ یہی تعلق تھا۔ جہاں تک یاد پڑتا ہے' میں نے خالد مسعودؒ کو ۱۹۷۴ء یا ۷۵ء میں پہلی مرتبہ دیکھا۔ پہلی ملاقات میرے دوست حبیب احمد سیٹھی مرحوم کے توسط سے ہوئی۔ آپ انتہائی سادہ اور شفیق انسان نظر آئے۔ ان دنوں اپنے گھر میں قرآن اور عربی زبان پر لیکچر دیتے تھے۔ اپنی کتاب ''اسباق النحو'' سے گرائمر کی مشقیں حل کرواتے۔ میں ان دنوں ایف ایس سی کا امتحان پاس کر کے فارغ ہوا تھا۔ حبیب سیٹھی' ہمارے چند دوستوں اور میں نے یہ معمول بنا لیا کہ مغرب کی نماز کے بعد ہم بھی خالد مسعود صاحب کی کلاس میں شریک ہو جاتے۔ ہفتے میں پانچ دن یہ کلاس ہوتی۔ آپ کے درس قرآن کا انداز منفرد تھا۔ پہلے ایک آیت کی تلاوت کرتے' اس کا ترجمہ کرتے پھر شرکائے درس سے پوچھتے کہ انھوں نے اس آیت کے ترجمے سے کیا سمجھا ہے؟ ہم لوگ اپنی اپنی آرا بتاتے آخر میں آپ اس کی تشریح کرتے۔ درس میں قرآن پاک کے نظائر سے بھی مدد لی جاتی۔ ہم لوگ اپنے اپنے قرآن کے نسخوں پر چھوٹے نوٹ لکھتے جاتے۔ شروع شروع میں تو یہ بہت مشکل کام لگا مگر رفتہ رفتہ سہل ہوتا گیا۔ یہ اس دور کی بات ہے جب مولانا امین احسن اصلاحیؒ اپنی تفسیر ''تدبر قرآن'' ابھی لکھ رہے تھے اور مولانا کا درس محترم سید اسحاق علی صاحب کی رہائش گاہ

پر ہوتا تھا۔ جناب خالد مسعودؒ نے بھی درس قرآن کا یہ سلسلہ ساری زندگی جاری رکھا۔ ان کے درس کی لذت اور تاثیر آج بھی محسوس کرتا ہوں۔

خالد مسعود مرحوم نے دین کی خدمت بے لوث کی۔ آپ کے پیش نظر شہرت تھی نہ دنیاوی مقاصد کا حصول۔ اگر آپ چاہتے تو بینک بیلنس شاندار کوٹھی قیمتی گاڑی اور شاندار دفتر بنا سکتے تھے۔ بہت کچھ اکٹھا کر سکتے تھے مگر آپ کو ایسا کرنا منظور نہ تھا۔ ان کی قناعت پسندی اس حد تک تھی کہ اس جدید دور میں بھی ان کے پاس گاڑی تو کیا اپنی موٹر سائیکل بھی نہیں تھی۔

خالد مسعود مرحوم کی ایک بہت بڑی خوبی ان کی خندہ پیشانی تھی۔ میں نے آپ کو ہر حال میں مسکراتے ہوئے دیکھا ہے۔ بیماری میں ہوتے یا کسی مشکل میں ہوتے تو ہمیشہ مسکراتے ہی رہتے۔ ایسا محسوس ہوتا کہ اللہ کے اس بندے کو کوئی خوف، کوئی اندیشہ کبھی لاحق ہی نہیں ہوا۔ جب ان کے دل کا آپریشن ہوا اور میں ان سے ملنے گیا تو مسکراتے ہوئے اپنی بیماری اور آپریشن کے بارے میں اس طرح بتا رہے تھے جیسے کوئی بڑا ہی خوشگوار واقعہ پیش آیا ہو۔ قرآن پاک میں شاید ایسے ہی لوگوں کے بارے میں "لا خوف علیهم ولا هم یحزنون" کی بشارت کا ذکر ہے۔

"ہیپاٹائٹس سی" کی وجہ سے آپ کا جگر سکڑ گیا تو خون کی تے وقتاً فوقتاً آتی رہتی تھی لیکن یہ مرد خدا اپنی بیماری سے اس طرح لڑتا رہا جس کی مثال میں نے بطور ڈاکٹر اپنی پیشہ ورانہ زندگی میں نہیں دیکھی۔ ہمیشہ مسکراتے رہتے اور انھیں دیکھ کر محسوس ہوتا کہ توکل اور ایمان کی صحیح اور عملی شکل کیا ہے۔ اپنی بیماری اور اس کے علاج کا ذکر کرتے ہوئے کبھی ان کے چہرے پر پریشانی یا ناگواری ظاہر نہ ہوتی۔ اس سال جولائی میں جب میں پاکستان گیا تو جناب خالد مسعودؒ جناح اسپتال میں زیر علاج تھے۔ خون کی تے کے بعد قدرے افاقہ تھا۔ آپ کے سرہانے "حیات رسول امی" پڑی ہوئی تھی۔ کتاب شائع ہونے پر آپ کی خوشی دیدنی تھی۔

تین عشروں پر پھیلے ہوئے اس تعلق کے دوران میں نے انھیں نہایت سادہ اور شفاف انسان پایا، جس کا ظاہر و باطن ایک تھا۔ کسی قسم کی خودستائی اور خودنمائی نہیں تھی۔ آپ کی ذات میں بڑی شفقت تھی۔ آپ کی وفات سے تین ہفتے قبل جب میں بحرین واپس آنے لگا تو الوداعی ملاقات کے لئے ۸ ستمبر کو ان کے گھر گیا۔ آپ خاصی دیر تک بیٹھ کر باتیں کرتے رہے۔ حسب معمول مولانا اصلاحی کی طرح دروازے تک چھوڑنے آئے۔ گلے مل کر ان سے رخصت ہوا تو پتہ نہیں تھا کہ یہ زندگی کی آخری ملاقات ہوگی۔ آج جب میں ماضی کے دریچوں سے جھانک رہا ہوں تو ان کے ساتھ گزرا ہوا وقت شگفتہ یادوں کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کی تمام کوششوں کا بہترین صلہ عطا فرمائے اور غلطیوں سے درگزر فرما کر ان کو جنت کے اعلیٰ درجات عطا

فرمائے...... آمین۔

ہم لوگوں کے لئے بھی وہ ایک ایسی روایت چھوڑ گئے ہیں جس کو جاری رکھنا کوئی آسان کام نہیں۔ یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ اس امانت کی ہمیں بہرحال حفاظت کرنی ہے۔ اگر آج یہ کام ہم لوگ نہ کر سکے تو ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ کام کسی اور سے لے لے لیکن قیامت کے دن اس کی جواب طلبی ہو سکتی ہے۔ کفر اور الحاد کا طوفان ہے کہ امڈا چلا آ رہا ہے اور دوسری طرف دینی طبقہ بری طرح سے افلاس فکر اور پریشان حالی کا شکار ہے۔ ہمارے بزرگوں نے ہمارے لیے بہت بڑا اثاثہ چھوڑا ہے، اگر ہم اس فکر کو لوگوں تک پہنچانے کا کام کر سکیں تو یہ بڑی سعادت ہوگی ورنہ مولانا اصلاحیؒ کے بقول:

"اگر آپ لوگوں نے اس کی قدر نہ کی تو اللہ تعالیٰ اس علم کو اٹھا لے گا"۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں صحیح سوچ اور صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور حیات فانی کے چند دنوں کی خاطر ہماری آخرت کو خراب ہونے سے بچائے...... آمین۔

فکر فراہی کا ایک سچا خادم

علی گڑھ و حلقہ ادارہ علوم القرآن میں مخدوم و محترم خالد مسعود صاحب کے انتقال کی خبر بہت ہی رنج و الم کا باعث بنی۔ فکر فراہی کے ایک سچے خادم کے کم ہونے کا احساس ہوا۔ موصوف نے قرآن و حدیث کی طویل عرصہ تک خدمت کی۔ مولانا فراہی کے نقطہ نظر کو مدلل کرنے میں ان کا بہت اہم کردار رہا ہے۔ میں عربی زبان و ادب کا استاد ہوں، ان کی کتاب "اسباق النحو" سے برابر استفادہ کرتا رہتا ہوں۔ ادارہ میں سب نے ان کے لئے دعا مغفرت کی۔ مرحوم کی رحلت سے حلقہ فراہی میں ایک بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے۔ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین۔

(اشہد رفیق ندوی...... علی گڑھ بھارت)

بزمِ فراہی و اصلاحی کی شمع

ماجد خاورؒ

[یہ تقریر مولانا خالد مسعودؒ کی یاد میں منعقدہ تعزیتی ریفرنس میں کی گئی]

اس وقت ہم نادر شخصیت برادرم خالد مسعود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں ایک تعزیتی ریفرنس کے حوالے سے جمع ہوئے ہیں۔ مجھ سے بھی کہا گیا ہے کہ میں اپنے دیرینہ تعلق کے حوالے سے مرحوم کی شخصیت پر روشنی ڈالوں۔ میں اپنے تاثرات آپ تک پہنچاتے ہوئے نہایت طمانیت محسوس کر رہا ہوں۔ تعزیت کے لمحات مشکل تو ضرور ہوتے ہیں، لیکن انسان کو ان کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ جناب خالد مسعودؒ کے بارے میں بہت کچھ کہا جا چکا ہے اور بہت کچھ کہا جائے گا۔ مرحوم سے میرا تعلق چار دہائیوں سے زیادہ رہا ہے۔ انھوں نے مولانا امین احسن اصلاحیؒ سے ۱۹۵۸ء میں تلمذ کیا اور یوں ان کو بطور سینئر شاگرد ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ ہم سے پہلے وہ چار سال تک تنہا مولاناؒ سے استفادہ کرتے رہے۔ جون ۶۱ء میں جب میری ملاقات استاذ معظم حضرت اصلاحیؒ سے ہوئی، اس موقع پر ان سے مشرف ملاقات نصیب ہوا۔ میں حلقۂ تدبر قرآن میں شامل ہو گیا جس کے آپ روح رواں تھے۔ اس کے بعد یہ تعلق تا حیات ۴۱ سال تک جاری رہا۔ میرے لیے یہ بات باعث افتخار ہے کہ میرا نام بھی ان کے قریبی احباب میں لیا جاتا ہے۔

۱۹۸۱ء میں جب ادارہ تدبر قرآن و حدیث قائم ہوا تو اس کی سربراہی بھی آپ ہی کے ذمے ہوئی جسے آپ آخری سانس تک بڑے احسن طریقے سے نبھاتے رہے۔ مجلۂ 'تدبر' کا اجرا ہوا تو اس کے مدیر بن گئے۔ مرحوم سے میرا تعلق فکر فراہیؒ و اصلاحی کے شاگرد اور استاد کی حیثیت سے، حلقۂ تدبر قرآن اور ادارہ تدبر قرآن و حدیث کے ناظم کی حیثیت سے، مجلۂ تدبر کے مدیر ہونے کی حیثیت سے، ان کی کتابوں کے ناشر ہونے کی حیثیت سے اور سب سے بڑھ کر ان کے ایک مشفق دوست ہونے کی حیثیت سے بڑا بھرپور رہا ہے۔ میں نے ذاتی طور پر انھیں علم و تقویٰ اور سیرت و

کردار کا جامع اور حسین امتزاج پایا ہے۔ ہمیں مولانا اصلاحیؒ کے ساتھ ساتھ ان سے بھی رہنمائی ملتی رہی۔ وہ بیک وقت مولانا اصلاحی کی حیات تک ان سے استفادہ بھی کرتے رہے اور ہماری رہنمائی بھی کرتے رہے۔ یہ ان کا منفرد اعزاز ہے۔

جناب خالد مسعودؒ کی فکر فراہی واصلاحی کے لیے بے اندازہ خدمات ہیں۔ فکری وابستگی یا فکری عمل جہد مسلسل سے عبارت ہوتا ہے۔ انھوں نے ۴۵ سال تک فکر فراہی واصلاحی کے تسلسل کو قائم رکھا بلکہ اپنی زندگی کا بہترین حصہ انھوں نے اس فکر کی خدمت میں شاندار طریقے سے صرف کیا اور آخری سانس تک وہ اس پر کام کرتے رہے جس میں وہ شاندار طریقے سے کامیاب بھی رہے۔ اس کے لئے وہ قابل تحسین ہیں۔

ان کے علمی سفر کا آغاز ماہنامہ 'میثاق' میں افادات فراہی سے شروع ہوا اور ''حیات رسول امیؐ'' پر اختتام پذیر ہوا۔ انھوں نے 'اسباق النحو' افادات فراہی' تلخیص تدبر قرآن' تفسیر قرآن کے اصول' اصول فہم القرآن' حکمت قرآن' تدبر حدیث' مبادی تدبر حدیث' مقالات اصلاحی' فہم دین اور فلسفے کے بنیادی مسائل...... قرآن حکیم کی روشنی میں ترتیب وتدوین کی۔ یہ سب کام ان کی گراں قدر خدمات میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ انھوں نے اپنی فکر کو فکر فراہی واصلاحی کے تیسرے ستون کی حیثیت سے پیش کیا جس میں وہ شاندار طریقے سے کامیاب بھی رہے۔ مولانا اصلاحیؒ کی وفات کے بعد آپ آزادانہ اور تیزی سے فکر فراہی واصلاحی پر کام کرتے رہے۔ ان کا کام چیف ایڈیٹر فکر فراہی و اصلاحی کے طور پر نمایاں ترین رہا۔ انھوں نے ان جہات کی نشاندہی کی جن کی طرف اس فکر کو آگے بڑھانا چاہیے اور کن کن تشنہ کاموں کو مکمل کرنا چاہیے۔ وہ فکر فراہی واصلاحی کے علم بردار تھے اور تاحیات انھوں نے اس بزم کی شمع کو روشن تر اور تابندہ تر رکھا۔ جناب خالد مسعودؒ یہ شمع ہمارے سپرد کر گئے ہیں اور اب یہ ہمارا کام ہے کہ ہم اسے روشن تر کریں' تابندہ تر کریں اور ان کے سفر کو جاری رکھیں۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان کی جسمانی رحلت تو ضرور ہوئی ہے' لیکن ان کی معنوی حیات اب بھی موجود ہے۔ ہم ان سے رہنمائی لے سکتے ہیں اور ان کی تحریروں سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ جس مشن کو انھوں نے ساری عمر جاری رکھا اور خاص طور پر آخری برسوں میں وہ جس طرح حیات کے ساتھ کشمکش کرتے رہے اور ان کے قدم ڈگمگائے بھی نہیں' وہ اپنے مقصد اور مشن میں نہایت کامیاب رہے۔ اس میں ہم سب کے لیے بڑا سبق ہے۔ اب ہم سب کو اس بات کا جائزہ لینا چاہیے کہ ہم فکر فراہی واصلاحی کے مشن کے تسلسل کی شمع کو کیسے روشن رکھ سکتے ہیں؟

خالد مسعود مرحوم

مولانا محمد ایوب اصلاحی

اچانک فون سے یہ اندوہناک اطلاع ملی کہ پاکستان میں مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے شاگرد رشید خالد مسعود صاحب یکم اکتوبر ۲۰۰۳ء کو داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔

یہ خبر مدرسۃ الاصلاح کے کارکنان، اساتذہ اور طلبہ کے لئے انتہائی غم انگیز ہے اور سچ تو یہ ہے کہ مولانا اصلاحیؒ کے جملہ متعلقین کے لئے باعث رنج و افسوس ہے۔ مولانا اصلاحی کو مرحوم پر بے حد اعتماد تھا اور مرحوم نے بھی مولانا سے استفادہ اور کسب فیض کا حق ادا کر دیا۔ لگاتار کوئی چالیس برس ان کی خدمت میں گزارے۔ تفسیر تدبر قرآن، تدبر حدیث اور مولانا اصلاحی کے استاذ گرامی مولانا فراہیؒ کے افادات کے اردو ترجمے اور ان کی تصنیفات کی اشاعت کے کام میں نہایت دلچسپی اور ذوق و شوق کے ساتھ منہمک رہے۔

مدرسۃ الاصلاح میں مولانا امین احسن اصلاحی سیمینار ہوا تو وہ بصد شوق اس میں شریک ہوئے۔ مقالہ پڑھا اور طلبہ کو خطاب کیا۔ واپس گئے تو 'تدبر' میں اپنے تاثرات تحریر فرمائے۔ بڑی پابندی سے سہ ماہی 'تدبر' مدرسہ کی لائبریریوں اور مدرسہ کے اساتذہ کے نام ارسال فرماتے۔ 'تدبر' میں رسالہ "نظام القرآن" سے مولانا فراہی کی تفسیر سورۃ بقرہ کا اردو ترجمہ شائع فرماتے۔ چند دن ہوئے ان کی تازہ تصنیف "حیات رسول امی" مدرسہ کی لائبریری میں دیکھنے کو ملی۔ کوئی چھ سو صفحے کی کتاب اور خوبصورت جلد۔ اس پر خالد مسعود تلمیذ مولانا امین احسن اصلاحی لکھا دیکھ کر بے حد مسرت ہوئی۔ ان کے انتقال پر ملال سے ایسا لگتا ہے کہ پاکستان میں مکتب فراہی کا یہ آخری چراغ تھا جو گل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم اور سیرت رسولؐ کے اس خادم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

اللهم اغفر اله مغفرة واسعة وارحمه وادخله في جنات النعيم۔

(بشکریہ: شذرات، سہ ماہی نظام القرآن انڈیا)

ہمارے ماموں جان

ڈاکٹر ام کلثوم

ہم انھیں ماموں چن جی کہتے تھے۔ بعد میں جب "چندا ماموں" والی نظم پڑھی تو بڑی مدت تک اس مخمصے میں رہے کہ نظم لکھنے والے کو کس طرح معلوم ہوا کہ ہم اپنے ماموں کو چن جی کہتے ہیں جو اس نے 'چندا' ہی کو ماموں کہنا شروع کر دیا۔ فی الواقع وہ ہمیں چاند سے بھی زیادہ خوبصورت لگتے تھے گورے چٹے' متوازن جسم' معتدل قد اور اس پر خوب صورت نرم دھیمی گفتگو۔ ہم جب بھی للہ اپنے ننھیال جاتے' اگر وہ وہاں ہوتے تو ضرور ہمیں اسٹیشن سے لینے آتے۔ ہمیں ان کا یوں لینے آنا اس لیے اچھا لگتا کہ پھر ان کے کندھوں پر سوار ہو کر گھر جانے کا لطف ہی کچھ اور تھا۔ راستہ بھر ہنستے مسکراتے چھوٹی چھوٹی باتیں کرتے ہم مزے سے گھر پہنچ جاتے جہاں نانی اماں ہماری منتظر ہوتیں۔

مجھے وہ منظر بھی کبھی نہیں بھولتا جب ماموں للہ سے روانہ ہوتے۔ نانی اماں انھیں گھر سے رخصت کر کے چھت پر چلی جاتیں۔ انھیں گلیوں میں سے گزر کر اسٹیشن پر جاتے دیکھتیں اور پھر اس وقت تک اوپر رہتیں جب تک ریل گاڑی انھیں لے کر نظروں سے اوجھل نہ ہو جاتی۔ اس دوران میں وہ مسلسل کچھ پڑھ پڑھ کر دم کر رہی ہوتیں۔

ماموں ہمارے لیے ایک معیاری شخصیت رہے۔ وقار' سادگی' نفاست' متانت' خوش مزاجی' نرم گفتاری تحمل کا پیکر ان کے ہم راہ نشست ہمیشہ پر لطف رہتی۔ یہ بات اس وقت بھی صحیح تھی جب ہم ان کے کندھوں پر سوار ہوتے اور پھر اس وقت بھی جب ان سے مختلف علمی موضوعات پر گفتگو ہوتی۔ زندگی کی آخری ملاقات تک اس لطف و سرور میں ذرہ برابر تبدیلی نہیں آئی۔ علمی گفتگو میں بالعموم ان کے اظہار خیال کے بعد کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہ رہتی۔ بعض اوقات رائے کا اختلاف بھی پیدا ہو جاتا۔ ہم اپنے اشکالات ان کے سامنے رکھتے۔ وہ تحمل سے بات سنتے اور اپنے دلائل دیتے' لیکن کبھی اپنی رائے ٹھونسنے کی کوشش نہ کرتے۔

وہ ہر ایک سے اس کی ذہنی سطح اور ذوق کے مطابق گفتگو کا سلیقہ رکھتے تھے۔ ہنستے ہنساتے تھے۔ کھلاتے

پلاتے تھے۔ ہم نے انھیں کبھی غصے میں نہیں دیکھا۔ میری سمجھ میں یہ بات اب تک نہیں آئی کہ آخر انھیں غصہ کیوں نہیں آتا تھا۔ شاید اللہ میاں نے ان کے اندر غصے کے جینز ہی نہیں رکھے تھے یا شاید ضبط نفس ہی کمال درجے کا تھا۔ انھیں یہ صفت ناناجی سے وراثت میں ملی تھی۔ ہمارے دوسرے ماموں جان اور امی جان اس معاملہ میں ان سے حیرت انگیز مماثلت رکھتے ہیں۔ تحمل، بردباری، معاملہ فہمی، نرمی، خوش مزاجی جیسی خصوصیات ان کی شخصیت کا حصہ تھیں۔ ان پر جھلاہٹ طاری ہوتے ہم نے کبھی نہیں دیکھی۔ کبھی بلند آواز سے چلاتے نہیں سنا۔ ان کی زبان پر ناشائستہ الفاظ کوئی راہ نہ پاسکے۔ بس اتنا ہے کہ جب کسی کی جانب سے بہت ہی اشتعال انگیزی ہوتی تو بالکل خاموش ہوجاتے۔ یہ خاموشی بھی مختصر دورانیے کی ہوتی۔ اشتعال انگیزی ختم ہوتے ہی ان کی بشاشت لوٹ آتی۔

ان کا صبر وتحمل بیماری میں بھی برقرار رہا۔ طویل اور تکلیف دہ بیماری کے دوران میں کئی مرتبہ انھیں کئی کئی دن ہسپتال رہنا پڑا۔ بیماری کی شدت خطرناک حدوں کو چھونے لگتی۔ کئی مریضوں کو ایسی حالت میں دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ بڑے بڑوں کے حواس جواب دے جاتے ہیں، گھبراہٹ طاری ہوجاتی ہے، یاس چھاجاتی ہے حتیٰ کہ ڈاکٹروں کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں، لیکن ماموں جی کو اس حالت میں بھی ہم نے کبھی خوف زدہ نہیں دیکھا۔ ان کے اطمینان اور سکون کو دیکھ کر ان کے اطباء حیران ہوتے کہ یہ کیسا شخص ہے، جس کے لب اُف اور ہائے سے قطعی ناآشنا ہیں۔

طبیعت ذرا بہتر ہوتی تو فوراً باتیں شروع ہوجاتیں۔ لکھنے پڑھنے کا سامان ان کے بستر پر پہنچ جاتا اور تیمارداروں کو وہ مزے لے لے کر، ہنس ہنس کر اپنی بیماری کی ساری کیفیت کی روداد سنا رہے ہوتے۔ ڈاکٹروں کی بدحواسی اور پریشانی کی روداد کہتے۔ گویا یہ سب ایک تماشا تھا جو ہوا اور بس ہوگیا۔ میں تو سوچتی ہوں کہ اب بھی اگر اللہ میاں انھیں تھوڑی دیر کے لئے ہمارے پاس بھیج دیں تو وہ مزے لے لے کر ہنستے ہنستے اپنی موت کی کیفیت کا حال سنائیں گے۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام کی فرض شناسی کی داستان کہیں گے کہ سننے والوں کے لئے مرنا آسان ہوجائے گا۔

اللہ نے انھیں بہترین علم عطا فرمایا۔ قرآن پڑھنا پڑھانا ان کا پسندیدہ ترین کام تھا، وہ فنافی القرآن شخص تھے۔ بلند پایہ کتابیں جمع کرنے کا ذوق رکھتے تھے، لیکن ہر وقت ضخیم کتابوں میں گھرے رہنے والے شخص سے گفتگو کے دوران میں کبھی یہ احساس نہیں ہوا کہ وہ اپنے علم وفضل سے مخاطب کو مرعوب کرنا چاہتے ہیں۔ گاؤں کی بوڑھی خواتین بھی ان سے مل کر اتنی ہی فیض یاب ہوتیں جس طرح بڑے بڑے فضلا اور علم کے جویا ان سے فیض یاب ہوتے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ گاؤں کی مسجد کے ایک نیم خواندہ مولوی صاحب گھر کی بیٹھک میں دوران ملاقات میں ایک لمبی تقریر کر رہے تھے۔ ماموں ان کے سامنے یوں سر جھکائے عاجزی سے بیٹھے تھے گویا طفل مکتب ہوں مولوی صاحب بڑے فاضلانہ دلائل دے رہے ہوں۔ انھوں نے ایک مرتبہ بھی انھیں نہیں جتلایا کہ جو باتیں وہ کر رہے ہیں ان کی علمی حیثیت کیا ہے۔ ہم اندر بیٹھے اس تقریر پر پیچ وتاب کھا رہے تھے۔ بعد میں ہم نے ماموں جان

سے کہا کہ آخر آپ ان صاحب کی بے سروپا باتیں کیوں سنتے چلے گئے؟ انھوں نے بس اتنا کہا: ''ان صاحب کی تسلی ہوگئی میرا کیا بگڑا!!''

مقصد کی لگن' انضباط اوقات' عزم و ہمت' اپنے کام میں انہماک ماموں جی کی خصوصیات تھیں۔ انھیں وقت ضائع کرنا نہیں آتا تھا۔ ان کی زندگی تکاثر اور لہو الحدیث سے پاک زندگی تھی۔ حرص و طمع سے کوسوں دور تھے۔ کسی پریشانی یا تکلیف کو انھوں نے آرام طلبی کا ذریعہ نہیں بنایا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد بھی گھر میں ہر کام کا وقت مقرر تھا' لکھنے پڑھنے کے اوقات یوں مقرر رہتے تھے گویا اس دفتر میں حاضری نہ ہوئی تو جواب طلبی ہو جائے گی۔ ان کی کتابیں' لکھنے کی میز ہر چیز ایک قرینے اور سلیقے سے رکھی ہوتی۔ زندگی کی آخری رات بھی تحریر و تالیف میں مشغول رہے۔ لکھنے کا سامان ان کے سرہانے کی میز پر رکھا تھا' ان کی پنسل ان کے زیر تحریر مسودے پر پڑی تھی۔

کتابوں میں یہ انہماک گھر کے معاملات سے ان کو بے خبر نہ رکھنے پاتا۔ انھیں یہ ہدایت از بر تھی کہ تم میں سے اچھے وہ ہیں جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھے ہیں۔ گھر والوں کی سہولت اور راحت کا خیال ان سے بڑھ کر کسی کو کرتے نہیں دیکھا۔ باورچی خانے کا کام ہو یا کپڑوں کی دھلائی' وہ ہر جگہ ہاتھ بٹانے کو تیار رہتے تھے۔

گھر کی ضروریات پر ان کی نظر رہتی۔ ضرورت کا سودا سلف اور ہر چیز وہ خود ہی لا کر رکھ دیتے۔ جب تک ہمت رہی بازار سے لاتے رہے' زندگی کے آخری ایام میں بھی جہاں تک بن پڑتا یہ ذمہ داری نبھاتے رہے۔

اپنی ذات کے لئے انھوں نے کبھی کسی کو تکلیف نہیں دی۔ بیماری میں مجبوراً انھیں خدمت لینا پڑتی' ورنہ حتی الامکان انھیں اپنا کوئی کام کسی سے کرانا پسند نہ تھا۔ اپنے کام اپنے ہاتھوں سے کر کے اطمینان حاصل کرتے۔

وہ خاندان بھر کے ہر معاملہ میں بہترین مشیر تھے۔ رشتے ناتے طے کرنے جیسے بڑے معاملات اور لباس کی خریداری' رنگ کا خیال' کراکری کی خرید جیسے چھوٹے چھوٹے معاملات میں وہ بڑے شوق سے مشورہ دیتے اور معاملات میں شریک ہوتے۔

اب وہ رب کریم کے پاس اپنے ٹھکانے پر پہنچ چکے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ وہاں ان کا استقبال بلند پایہ فرشتوں نے کیا ہو' ان کو اپنے رب کے جوار رحمت میں جگہ حاصل ہو' ان کا شمار ابرار و صالحین میں ہو اور ہر گھڑی میں ان کے لئے مغفرت کا سامان ہو۔ آمین۔

میں سوچتی ہوں صرف ماموں جی ہی نہیں گئے بلکہ ایک بہترین رہنما' ایک مشفق استاد اور ایک قابل قدر مشیر رخصت ہو گیا۔ اللھم اجرنی فی مصیبتی و اخلفنی خیراً منھا۔

جناب خالد مسعود مرحوم...... چند یادیں

پروفیسر صاحبزادہ محمد عبدالرسول

جناب خالد مسعود مرحوم و مغفور میرے قریبی عزیزوں میں سے تھے نہ صرف یہ بلکہ دونوں گھروں کی دیوار مشترک تھی اس لئے میں نے ان کے بچپن کو بہت قریب سے دیکھا۔ للہ شریف کے نقشبندی مجددی سلسلہ کے بانی اعلیٰ حضرت غلام نبیؒ کے والد قاضی حسن دین صاحب اسی علاقہ کی معروف علمی وروحانی شخصیت تھی۔ آپ حضرت عبداللہ نوری چشتیؒ (مزار کلیکہ، تحصیل بھلوال) کے شاگرد اور داماد تھے۔ للہ شریف کا زیرِ زمین پانی انتہائی کڑوا تھا۔ لوگ بارش کا پانی تالابوں میں جمع کر کے استعمال میں لاتے تھے اور قحط سالی کے دوران بڑی دقت ہوتی تھی۔ جناب قاضی حسن دین صاحب نے شہر کے وسط میں ایک خاص مقام پر کنواں کھدوایا اور خدا کے فضل و کرم سے اس کا پانی قابل استعمال حد تک میٹھا نکلا۔ یہ کنواں آج بھی ان کے نام پر "میانہ کھوہ" کہلاتا ہے۔

قاضی حسن دین صاحب کے دو بیٹے تھے۔ بڑے بیٹے جناب قائم دین صاحب کی چوتھی پشت سے خالد مسعود صاحب کا تعلق ہے جبکہ چھوٹے بیٹے حضرت غلام نبی للہیؒ (۱۸۱۸ء تا ۱۸۸۸ء) کی پانچویں پشت سے راقم الحروف تعلق رکھتا ہے۔ دونوں خاندانوں میں قرابت داری کے کئی دوسرے بندھن بھی قائم ہوتے رہے مثلاً مرحوم کی دادی صاحبہ میرے والد صاحب کی پھوپھی تھیں۔ خود مرحوم کی اہلیہ میری ماموں زاد بہن ہیں۔ اسی طرح روحانی تعلق بھی قائم رہا۔ مرحوم کے والد جناب مولانا سیف الرحمٰن صاحب اعلیٰ حضرت غلام نبی للہیؒ کے خلیفہ حضرت غلام حسن ڈھڈیانویؒ سے بیعت تھے۔ اس سارے پس منظر کو بیان کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ گو جناب خالد مسعود مرحوم نے اپنی ذہنی راہیں خود متعین کیں تاہم ان کے پیچھے علم ظاہر کی قیل و قال اور علم باطن کے اوراد و وظائف اور مراقبوں کا پورا ماحول موجود تھا۔ متابعت سنت اور تقویٰ کے اس ماحول کا اثر یقیناً مرحوم کے لاشعور کا حصہ ہوگا۔

میرے ذہن میں جناب خالد مسعود کے بچپن کی یادیں ہیں۔ بعد میں غم روزگار نے ہمیں جدا کر دیا۔

ع او بصحرا رفت و ما در کوچہ ہا رسوا شدیم

بچپن سے ہی وہ ایک سنجیدہ، خاموش طبع اور مرنجان مرنج انسان تھے۔ سرخ و سفید دمکتے حسین چہرے نے ان کی شخصیت کو مزید جاذب نظر بنا دیا تھا۔ انھیں کھیل کود سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ہم لوگ جب کسی کھیل میں حصہ لے رہے ہوتے تو جناب خالد مسعودؒ ایک طرف کھڑے خاموش تماشائی بنے رہتے۔ میں نے انھیں کسی سے جھگڑتے نہیں دیکھا' بلکہ اونچی آواز میں بات کرتے بھی نہیں سنا۔ مزاج کا یہ انداز اس وقت بھی ہمارے لیے حیران کن تھا اور آج جب میں ماضی کی یادوں پر نظر واپسیں ڈالتا ہوں تو ایک فرشتہ نما انسان کا تصور ذہن میں ابھرتا ہے۔ بچپن سے وہ پابند صوم و صلوٰۃ تھے اور مسجد میں آ کر باجماعت نماز ادا کرتے۔

اپنے آبائی گاؤں للہ شریف کسی غمی شادی کے مواقع پر ہی آنے کا اتفاق ہوتا۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ انھوں نے صلہ رحمی کے تمام تقاضوں کو ہمیشہ پورا کیا۔ آخری بار وہ اس وقت للہ شریف آئے جب اپریل ۲۰۰۱ء میں میرا بیٹا میجر وسیم الرسول فوت ہوا۔ اس وقت وہ سخت بیمار تھے اور ڈاکٹروں نے سفر کی ممانعت کر رکھی تھی مگر انھوں نے اپنے جان لیوا مرض کی پروا نہ کرتے ہوئے صلہ رحمی کو پیش نظر رکھا اور تشریف لائے۔ ان کی آخری تصنیف حیات رسول امی صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ان کی ہمشیرہ صاحبہ نے ہدیۃً پیش کی تو بہت خوش ہوئے اور جب میں نے شکریہ کا خط لکھا تو ہمشیرہ صاحبہ سے اس کے مندرجات دریافت کرتے رہے۔

اگر اتباع سنت' صفائے باطن' رذائل اخلاق سے اجتناب' تخلق باخلاق اللہ' بے نفسی و بے لوثی اور زہد و استغنا کا نام ہے تو جناب خالد مسعود مرحوم و مغفور سے بڑھ کر کوئی صوفی نہ تھا۔ خدا تعالیٰ انھیں غریق رحمت کرے اور ان کے درجات بلند فرمائے' آمین۔

اب انھیں ڈھونڈو چراغِ رخِ زیبا لے کر

حکیم راحت نسیم سوہدروی

موت ایک اٹل حقیقت ہے ہر ذی روح کو اس کا مزہ چکھنا ہے جسے دنیا میں آنا ہے اور اُسے بہر صورت جانا ہے کچھ تو صرف زندگی کے ایام گزار کر چلے جاتے ہیں مگر بعض کسی مقصد کے تحت زندگی گزارتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مدتوں ان کی یادوں کے چراغ روشن رہتے ہیں انھی لوگوں میں ایک درویش صفت علامہ خالد مسعود تھے۔

علامہ خالد مسعود کا نام تو عرصے سے سن رکھا تھا۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی نگرانی میں ان کی زیر ادارت سہ ماہی رسالہ 'تدبر' جو میرے والد حکیم عنایت اللہ نسیم سوہدروی کے نام باقاعدگی سے آتا تھا' میرے زیر مطالعہ رہتا۔ ۱۹۷۴ء میں جب راقم السطور لاہور آیا تو گاہے مولانا اصلاحیؒ کے درس قرآن میں جانا ہوا۔ یہ درس ان دنوں آپا نثار فاطمہ کی رہائش گاہ کے بڑے ہال میں ہوتا تھا۔ وہاں پہلی بار جناب خالد مسعود صاحب سے تعارف ہوا' مگر یہ ایک رسمی ملاقات تھی۔ اس کے بعد عرصہ دراز تک ان سے کوئی ملاقات نہ ہوئی البتہ تدبر برابر زیر مطالعہ رہتا۔

اس سال غالباً مارچ میں ایک اتوار کی صبح میں جناب خالد مسعود کی اقامت گاہ واقع سمن آباد پر ان سے ملاقات کے لئے حاضر ہوا' اس کی وجہ یہ تھی کہ میں تدبر کے فائل جلد کر رہا تھا مگر کچھ شمارے کم تھے اور وہ ان سے حاصل کرنا چاہتا تھا۔ تقریباً صبح ساڑھے دس بجے ان کے دروازے پر دستک دی۔ ایک بزرگ ہاتھ میں قرآن مجید پکڑے تشریف لائے۔ میں نے پوچھا کہ آپ خالد مسعود صاحب ہیں۔ کہنے لگے کہ آپ اندر آ جائیے۔ وہ مجھے ڈرائنگ روم میں لے گئے جہاں سات آٹھ افراد قرآن مجید ہاتھ میں لیے بیٹھے تھے اور ایک صاحب درس دے رہے تھے۔ میں بھی ایک کونے میں بیٹھ کر درس سننے لگا۔ درس دینے والے خالد مسعود صاحب تھے۔ درس ختم ہوا تو میری طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ کا تعارف؟ میں نے تعارف کرایا تو فوراً پہچان گئے۔ وہ میرے والد مرحوم کو بھی اچھی طرح جانتے تھے اور ان کے مولانا امین احسن اصلاحیؒ سے تعلقات کے بارے میں آگاہ تھے۔

میرے مضامین بھی اخبارات و جرائد میں ان کی نظر سے گزرتے رہتے تھے۔ وہ خود اٹھے اور زنان خانے کی طرف گئے۔ چند منٹوں بعد چائے آ گئی۔ پر تکلف چائے کے ساتھ تبادلہ خیال کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد سے لے کر مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے بارے باتیں ہوتی رہیں۔ ان کی دھیمے لہجے میں پر اثر گفتگو اور خوش مزاجی نے بہت متاثر کیا۔ انھوں نے ہندوستان میں ہونے والے مولانا اصلاحی سیمینار کے بارے میں بتایا۔ کوئی دو گھنٹے گزر گئے وقت کا احساس ہی نہ ہوا۔ میں نے ان سے تدبر کے چند ابتدائی شماروں کے بارے گزارش کی۔ انھوں نے کہا کہ لکھ کر دے دیں میں ڈھونڈ نکالوں گا۔ میں نے ان کو مطلوبہ شماروں کے نمبر لکھ دیئے اور اجازت لے کر واپس آ گیا۔

چند ہفتوں کے بعد دوبارہ حاضر خدمت ہوا ان کے درس سے استفادہ کیا۔ بعد از درس انھوں نے تواضع کی اور بتایا کہ تدبر کے مطلوبہ شماروں کو تلاش کرنے کا موقع نہیں ملا۔ چند دنوں میں دیکھ لیں گے۔ اس ملاقات میں انھوں نے یہ بھی بتایا کہ انھیں ہیپاٹائٹس سی کا عارضہ ہے اور خاصے عرصے سے ہے مگر وہ اس کے باوجود اپنے علمی مشاغل میں مصروف رہتے ہیں۔ انھوں نے اپنی بیماری کے حوالے سے جو نسبت بتائی اس کے مطابق انھیں خون کی قے بھی آ چکی تھی جس کے بعد ہسپتال میں رہے۔ عموماً یہ مرض کا عروج ہوتا ہے۔ مجھے اس پر تشویش ہوئی۔ میں ان سے کہے بغیر دل میں ان کے لئے دعا گو ہوا مگر وہ تو وہ عزم و استقامت کا کوہ وقار معلوم ہو رہے تھے۔ انھوں نے بتایا کہ انھوں نے سیرت طیبہ پر مشتمل اپنی کتاب "حیات رسول امی" مکمل کر لی ہے جو چند دنوں تک چھپ جائے گی اور اب وہ حدیث پر کام کر رہے ہیں۔ اس کے بعد ان سے ٹیلی فون پر رابطہ رہا۔ ستمبر کا دوسرا ہفتہ تھا کہ وہ ٹیلی فون پر کہنے لگے کہ تدبر کے مطلوبہ تمام شمارے مل چکے ہیں۔ میں اتوار کے روز حاضر ہوا۔ انھوں نے شفقت کے ساتھ عنایت فرمائے۔ یوں تدبر کا فائل مکمل ہو گیا اور میں نے آ کر جلد کر دیا۔ چند روز بعد پاکستان میں ان کے انتقال کی خبر نے دل و دماغ کو ہلا کر رکھ دیا۔ وہ عارضی دنیا سے مستقل دنیا کی جانب چلے گئے اور یوں ان سے مختصر عرصے میں ہونے والی ملاقاتوں اور باتوں کی فلم آنکھوں کے سامنے چلنے لگی۔ افسوس کہ ان کی نماز جنازہ میں شرکت نہ کر سکا۔

الغرض علامہ خالد مسعودؒ کے انتقال سے مسند فراہی خالی ہو گئی ہے جس پر امام حمید الدین فراہیؒ کے بعد مولانا امین احسن اصلاحیؒ مسند نشین ہوئے اور ان کے بعد علامہ خالد مسعود نے ان کا مشن جاری رکھا۔ فکر فراہی و اصلاحی کے مطابق دین کی خدمت کی۔

علامہ خالد مسعود نے مولانا فراہیؒ کے مسودات اور نوٹس سے براہ راست استفادہ کیا اور مولانا اصلاحیؒ کی معروف عالم تفسیر تدبر قرآن کی نو جلدوں کو تلخیص قرآن حکیم کے نام سے مرتب کیا پھر فکر اصلاحی کے مطابق قرآن فہمی کر کے تدبر حدیث (موطا امام مالک) اور تدبر حدیث (شرح بخاری) کے نام سے مرتب کی۔ ان کا اہم کارنامہ

قرآن کی روشنی میں سیرت طیبہ پر وہ کتاب ہے جو حیات رسول امیؐ، کے نام سے حال ہی میں شائع ہوئی ہے۔ خالد مسعود صاحب نے اس کتاب کو پرانی روایات سے ہٹ کر قرآن فہمی کی روشنی میں لکھا ہے اور سیرت کی پہلے سے موجود کتب کی طرح سابقہ کتب پر اعتماد کی بجائے کئی روایتوں کا ازالہ کیا ہے۔ مولانا فراہی کی کتاب اسالیب قرآن کا عربی سے ترجمہ کر کے مزید اضافے کے ساتھ تدبر میں شائع کیا ہے۔ عربی زبان پر عبور حاصل کر کے مولانا اصلاحیؒ سے اس کے اسرار و رموز سیکھے پھر حدیث اور قرآن مجید پڑھا اور یوں فکر فراہی اور اصلاحی کی روشنی میں براہ راست قرآن سے استفادہ کیا یہاں تک کہ وہ ان کے بعد ان کی مسند کے جانشین قرار پائے۔ مولانا اصلاحیؒ کے بعد ان کی یاد میں منعقدہ سیمینار جو ہندوستان میں ہوا ان کو اس کرسی پر بٹھایا گیا جس پر مولانا فراہیؒ اور پھر مولانا اصلاحیؒ تشریف رکھتے تھے۔ اس طرح یہ ان کے جانشین ہونے کا اعلان تھا۔ ان کے زیر ادارت سہ ماہی تدبر علمی حلقوں میں بڑا مقبول تھا۔ تادم آخر اس کے مدیر رہے۔ ان کے انتقال سے علمی دنیا میں خصوصاً فکر فراہی اور اصلاحی کے دبستان میں ایک بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے اور ان کی خدمات کو تا دیر یاد رکھا جائے گا۔

اصلی خزانہ

ہم مسلمانوں کے لیے علم کا منبع اور فکر و فلسفہ کا سرچشمہ قرآن مجید ہے۔ اس نے تخلیق آدم کی غایت واضح کی ہے، انسان کے مرتبہ و مقام کا تعین کیا ہے۔ انسان اور خدا کے تعلق کی اساسات نمایاں کی ہیں۔ مسلمانوں کو وہ اصول بتائے ہیں جن پر عائلی زندگی کی بنیادیں استوار اور اجتماعی و سیاسی زندگی کی تعمیر ہونی چاہیے۔ اس نے ان مقاصد کا تعین کیا ہے جن کے لئے امت مسلمہ وجود میں آئی اور جن کی خاطر افراد امت کا جینا اور مرنا پسندیدہ ہے۔ قرآن کے اس پیغام اور حجت سے صدی اول کے مسلمان شعوری طور پر آگاہ تھے اور رسول اللہؐ کی تعلیم و تربیت سے مقصد حیات کا یہ شعور ان کے رگ و پے میں جب سرایت کر گیا تو دنیا نے دیکھا کہ اس فکر و فلسفہ کے حاملین کی تہذیبیں اور عظیم سلطنتیں خس و خاشاک کی طرح بہہ گئیں اور اقوام عالم اس فکر و فلسفہ کے حاملین کی عظمت کو سلام کرنے لگیں۔ جوں جوں مسلمان اسلام کے اس اصلی خزانے سے بے خبر ہوتے گئے اور ان کے اوپر ادبار و زوال کے سائے گہرے ہوتے گئے یہاں تک کہ وہ اقوام عالم میں خفیف اور بے وزن ہو کر رہ گئے۔

(''وقت کی اہم ضرورت'' خالد مسعودؒ، سہ ماہی تدبر، شمارہ 47، ص 4)

علم و حلم کا مجمع البحرین

پروفیسر عبدالخالق فاروقی

یکم اکتوبر ۲۰۰۳ء بروز بدھ کا آفتاب غروب ہونے کو تھا۔ میں کام سے گھر واپس آرہا تھا۔ راستے میں جناب خالد مسعود کے سانحہ ارتحال کی اندوہناک خبر سنی۔ چند لمحے مجھ پر سکتہ طاری رہا۔ ان کے آبائی گھر پہنچا تو تصدیق ہوگئی کہ فراہی مکتب فکر کا خوشہ چین، شارح داعی اور محقق مولانا امین احسن اصلاحیؒ کا شاگرد خاص، ان کے علم کا وارث اور جانشین، مدیر تدبر، قرآنی علوم کا عارف اور رمز شناس، علم حدیث کا ماہر، اسباق النحو اور حیات رسول امیؐ کا مصنف خالق حقیقی کے حضور پہنچ چکا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

خالد مسعود صاحب نے ایم ایس سی کرنے کے بعد لاہور میں محکمہ صنعت میں لیبارٹری ریسرچ آفیسر کی حیثیت سے ملازمت اختیار کر لی۔ انھی دنوں منفرد مفسر قرآن اور معروف عالم دین مولانا امین احسن اصلاحیؒ جماعت اسلامی سے علیحدہ ہوئے تھے۔ جناب خالد مسعود قرآن مجید کی اعلیٰ پیمانے پر تعلیم حاصل کرنے کے لیے ان کی شاگردی میں آگئے اور ان کے دامن سے ایسے وابستہ ہوئے کہ یہیں کے ہو کے رہ گئے۔ پہلے یہ اور ان کے دوست جناب محبوب سبحانی مولانا کے شاگرد تھے۔ ان کے اخلاص اور استقامت کی برکت سے یہ حلقہ پھیلتا چلا گیا۔ ۱۹۶۱ء میں مولانا اصلاحی نے باقاعدہ ایک حلقہ تدبر قرآن کے نام سے قائم کر دیا جس میں جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کو Direct Approach کے طرز پر قرآن وحدیث اور دینی تعلیم دینے کا اہتمام کیا۔ اس حلقے کے متوسلین کو مولانا اصلاحی نے کمال دل جمعی کے ساتھ اعلیٰ عربی زبان و ادب کی تعلیم دی، حدیث کی کتاب مسلم شریف پڑھائی اور قرآن مجید کا تحقیقی درس دیا۔ جناب خالد مسعودؒ اس حلقے کے درجۂ اول اور صف اول کے فیض یافتگان میں سے تھے۔ اس کے بعد مولانا اصلاحیؒ کی بیماری (۱۹۹۳ء) تک وہ مسلسل ان سے استفادہ کرتے رہے اور ہمیشہ طالب علم بن کر رہے۔ خود مولانا اصلاحی جیسے یکتا عارف قرآن کو خالد مسعودؒ جیسے شاگرد پر ناز تھا۔ شاگردی کے ابتدائی دور ہی میں مولانا اصلاحی مطمئن ہو گئے تھے کہ ان کے پاس وہ نوجوان آ گیا ہے جو ان کے علم کا وارث بننے کی اہلیت رکھتا ہے۔

اس قسم کے کئی واقعات خالد مسعود صاحب سنایا کرتے تھے ایک بار انھوں نے بتایا کہ ایک دن میں مولانا اصلاحیؒ کے قریب کھڑا تھا۔ میرا منہ آگے کو تھا۔ مولانا کچھ دیر مجھے دیکھتے رہے پھر کہنے لگے: اچھا! تم مجھے خواب میں اسی طرح دکھائے گئے"۔

علامہ خالد مسعودؒ نہایت ذہین، فطین، متین اور حد درجہ نیک طبیعت کے مالک تھے۔ انھوں نے غایت درجہ انہماک اور مکمل یکسوئی کے ساتھ مولانا اصلاحیؒ سے اکتساب علم کیا اور بڑی محنت سے فراہی اور اصلاحیؒ کے علم و فکر کو اپنے دل و دماغ میں جذب کیا۔ فراہی اور اصلاحی فکر کیا ہے؟ یہ کہ قرآن مجید ہی امت اور انسانیت کے اختلافات کے لئے میزان اور کسوٹی ہے اور ہمارے فکر و عمل کا محور قرآن مجید ہی کو ہونا چاہیے۔ قرآن مجید ہی ہمارے تمام علوم کی اساس اور بنیاد بنے۔ علامہ خالد مسعودؒ اس فکر کے نمائندہ و عالم، شارح اور داعی تھے اور انھوں نے اس فکر کی ترویج و توسیع کو اپنی زندگی کا منتہائے مقصود بنائے رکھا۔

جون ۱۹۵۹ء میں ماہنامہ میثاق لاہور کا مولانا اصلاحیؒ کی ادارت میں اجراء ہوا۔ اس جریدے میں وہ مولانا کے معاون تھے۔ امام فراہی کی تصنیفات "فی ملکوت اللہ" اور "اسالیب قرآن" کے کچھ اجزاء کا اردو ترجمہ کئی شماروں میں شائع ہوا۔ اس کے علاوہ ان کے کئی اور مضمون بھی اس رسالہ میں شائع ہوئے تاہم ان کے علم کی جولانی اور قلم کی روانی اس وقت منظر عام پر آئی جب ادارہ تدبر قرآن وحدیث لاہور وجود میں آیا۔ اور اس ادارہ کے زیر انتظام مولانا اصلاحی کی نگرانی میں سہ ماہی مجلّہ "تدبر" کا اجراء ہوا اور وہ اس کے مدیر مقرر کیے گئے۔ مجلّہ تدبر ایک وقیع علمی رسالہ کی حیثیت سے علمی دنیا میں متعارف ہوا۔ اہل فکر و بصیرت کی نگاہ میں علمی وقار کے حوالے سے اس کے معیار کا کوئی اور پرچہ نہیں تھا۔ بڑے بڑے اساطین علم اس "قند مکرر" کے ڈاک میں آنے کا بے تابی سے انتظار کرتے تھے۔ اس رسالہ سے لوگوں کو صرف ایک ہی شکایت رہی کہ یہ سہ ماہی کے بجائے ماہنامہ کیوں نہیں ہے۔ اس قسم کے سینکڑوں خطوط مدیر کو موصول ہوتے رہے۔ مدیر "تدبر" نے ہمیشہ قارئین سے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ رسالہ کے معیار کی قربانی دیے بغیر ان کی شکایت کا ازالہ نہیں ہو سکتا۔ رسالہ "تدبر" کو معیاری اور بلند پایہ علمی رسالہ بنانے میں مدیر کی جگر دوز کاوش اور قرآن وحدیث اور اسلامی ادب میں ان کے عمیق مطالعہ کا بڑا ہاتھ تھا۔

یہ رسالہ فکر فراہی اور فکر اصلاحی کی ترویج و اشاعت کا مؤثر ذریعہ بنا۔ افادات فراہی کے عنوان سے امام فراہیؒ کی بعض نایاب بلند علمی اور فنی کتابوں کا اردو ترجمہ ان کے قلم سے شائع ہوتا رہا۔ بعد میں ان کتابوں کو باضابطہ زیور طباعت سے آراستہ کیا۔ ان کتابوں میں "حکمت قرآن" اور "تفسیر قرآن کے اصول" بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ علامہ حمید الدین فراہیؒ کی ایک نہایت قیمتی اور علمی کتاب "اسالیب القرآن" تھی جس میں انھوں نے قرآن مجید کے اسالیب کو واضح کرنے کے لیے ۳۰ عنوان قائم کیے مگر افسوس یہ کتاب نامکمل اور ادھوری رہ گئی۔ علامہ خالد

مسعود نے اس مشکل فنی کتاب کو اپنی قرآنی تحقیق کا موضوع بنایا اور اس خلا کو پر کیا۔ اس میں انھوں نے اپنی تحقیق سے جابجا اضافے کیے اور عنوانات کو مکمل کرنے کے لیے قرآن مجید سے ہر موضوع کی مثالیں جمع کیں۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی تین عظیم علمی کتابیں 'تزکیۂ نفس حصہ دوم'' مبادی تدبر حدیث اور'' فلسفے کے بنیادی مسائل — قرآن کی روشنی میں'' بھی پہلے رسالہ 'تدبر' میں قسط وار شائع ہوتی رہیں۔ نیز مولانا کے دروس حدیث (بخاری اور موطا) بھی قسط وار مسلسل ''تدبر'' میں شائع ہو رہے ہیں۔ خالد مسعود صاحب نے سائنٹیفک انداز میں ان کی تدوین و تبویب کر کے ''تدبر حدیث بخاری جلد اول'' اور'' تدبر حدیث موطا امام مالک جلد اول'' کے نام سے ادارہ تدبر قرآن و حدیث کے زیر اہتمام شائع کیا۔ مولانا اصلاحیؒ نے فراہی مکتب فکر کی نمائندہ تفسیر نو ضخیم جلدوں میں ''تدبر قرآن'' کے نام سے لکھی۔ یہ تفسیر ہزاروں صفحات پر محیط ہے۔ اس مصروف ترین دور میں عام لوگ اتنی بڑی تفسیر سے کما حقہ استفادہ نہیں کر پاتے چنانچہ جناب خالد مسعودؒ نے اس عظیم القدر ضخیم تفسیر کی تلخیص حواشی کی صورت میں لکھی جو اب فاران فاؤنڈیشن لاہور سے ''قرآن حکیم'' کے نام سے چھپ چکی ہے۔ تدبر قرآن کی تلخیص میں آپ کا امتیازی کام یہ ہے کہ ہر سورہ کا عنوان اور جامع موضوع انھوں نے خود متعین کیا ہے۔

رسالہ 'تدبر' میں اداریہ ''تذکرہ و تبصرہ'' کے عنوان سے زیادہ تر خالد مسعود صاحب خود لکھتے تھے۔ یہ اداریہ یا تو کسی علمی موضوع سے متعلق ہوتا یا قومی اور بین الاقوامی حالات کے کسی اہم پہلو پر تبصرہ ہوتا۔ ان کے لکھے ہوئے اکثر اداریے پرانے ہونے کے باوجود آج بھی افادیت کے حامل ہیں اور ان کی علمی تازگی ہنوز قائم ہے۔ فکر فراہی و اصلاحی کے وسیع تعارف کے حوالے سے علامہ خالد مسعودؒ نے رسالہ 'تدبر' میں امام فراہیؒ کا تصور حکمت' تحقیق حدیث و سنت کا فراہی منہاج' مولانا فراہیؒ کی علمی خدمات' مولانا اصلاحیؒ کی علمی خدمات' فراہی مکتب فکر اور خدمت کے عنوانات کے ساتھ جامع مضامین لکھے۔

جناب علامہ خالد مسعودؒ کی سیرت پر لکھی ہوئی کتاب 'حیات رسول امی'' ''تدبر'' رسالے میں قسط وار شائع ہوتی رہی۔ سیرت پر ان کی یہ کتاب علمی سرمایہ میں ایک قابل قدر اضافہ ہے اور ان کے نام کو زندہ جاوید بنانے کے لیے کافی ہے۔ اس کے مطالعے سے قرآن فہمی اور سیرۃ فہمی کا دوہرا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ غرضیکہ ''تدبر'' رسالہ عظیم علمی وراثت کا امین رہا ہے اور قرآنی فکر اور تدبر حدیث کی اشاعت کے اعتبار سے دینی جرائد میں لاثانی مقام رکھتا ہے۔

جناب خالد مسعود نے قرآنی اور دینی علوم کی تحصیل کے ساتھ ساتھ اس روشنی کو آگے پھیلانے کے لیے بھی کام کیا۔ ان کے دسیوں شاگرد ہیں جن کو انھوں نے قرآن کی تعلیم دی۔ اکتساب علم کے بعد تمام عمر قرآن مجید کی تعلیم و تعلم میں گزار دی۔ اپنے گھر میں اور گھر سے باہر ہمیشہ درس قرآن کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان کا طریقہ تدریس نہایت مؤثر اور عام فہم تھا۔ اپنے شاگردوں کو سب سے پہلے بنیادی صرف و نحو پڑھاتے جب ان میں عربی زبان کی

شدید ہو جاتی تو درس قرآن شروع کرتے۔ علم کے بلند مقام پر فائز ہونے کے باوجود کبھی اپنے عالم ہونے کا اظہار نہیں کیا۔ درس نہایت سلیس اور ہلکے پھلکے انداز میں ہوتا۔ کبھی بھاری بھرکم علمی اصطلاحیں استعمال نہ کرتے۔ درس و تدریس کے دوران ان پر کبھی خطیبانہ رنگ غالب نہیں آیا۔ وہ خطیب کم اور معلم زیادہ تھے۔

ادارہ تدبر قرآن و حدیث کے زیرِ انتظام ہفتہ وار تحقیقی درس قرآن مولانا اصلاحیؒ دیتے رہے۔ ۱۹۹۳ء میں جب مولانا نے بیماری اور نقاہت کی وجہ سے درس قرآن سے معذوری ظاہر کی تو بالاتفاق یہ مسند عالیہ علامہ خالد مسعودؒ کے نصیب میں آئی۔ انھوں نے ادارہ کے متوسلین کو دو سے زیادہ مرتبہ پورے قرآن کا تحقیقی درس دیا۔ جناب خالد مسعودؒ کے علمی کام کے اس مختصر جائزے سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ وہ صحیح معنوں میں فکر فراہی و اصلاحی کے نقیب تھے۔

اخلاق و کردار میں وہ بے مثل تھے۔ ان کے کردار اور سیرت میں وقار، دھیماپن، تحمل مزاجی، ضبطِ نفس، متانت اور جمال کا عنصر غالب اور نمایاں تھا۔ ان کے قول و فعل میں مطابقت تھی۔ علم اور حلم کا مجمع البحرین تھے۔ ہر چند وہ علم کے اونچے مرتبے پر سرفراز تھے، لیکن نمود و نمائش اور اپنی شخصیت کی تشہیر سے ان کو وحشت تھی۔ تصوف کی زبان میں وہ زہد و فقر کا نادر نمونہ تھے۔ خاموشی اور سکون کے ساتھ اپنے کام میں مگن رہتے۔ اجنبی آدمی پہلی ملاقات میں ان کو زاہد خشک تصور کرتا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان کی شخصیت اور مزاج میں توازن تھا۔ بعض اوقات وہ ہنستے ہنساتے بھی تھے۔ جب نااہل دین داروں کی بے تکی باتیں سامنے آتیں تو مخصوص انداز میں قہقہہ لگاتے تھے۔ غصہ اور ناسازگار حالات میں وہ کاظمین الغیظ اور عافین عن الناس کی عملی تفسیر تھے۔ ان تمام باتوں کے باوجود علمی اختلاف رائے میں سمجھوتہ کرنے والے نہیں تھے۔ اپنے عظیم استاذ کی طرح جب وہ کوئی رائے خوب سوچ سمجھ کر قائم کر لیتے تو اس سے انحراف نہیں کرتے تھے۔ دینی معاملات میں دلیل کے قائل تھے۔ اپنے استاذ گرامی مولانا امین احسن اصلاحیؒ سے انھیں جو محبت اور عقیدت تھی اس کی مثال قرونِ اولیٰ میں ملتی ہو تو ملتی ہو، دورِ حاضر میں شاید اس کی مثال نہ مل سکے۔ انھوں نے مولانا اصلاحیؒ کے فکر کو اپنایا اور زندگی بھر اس کو اوڑھنا بچھونا بنایا، لیکن اپنے وسیع مطالعہ اور قرآن مجید پر عمیق تدبر و تفکر کی بدولت کئی ایسے مقامات آئے جہاں انھوں نے اپنے استاذ سے اختلاف کیا اور اس کا اظہار بھی کیا۔ مولانا اصلاحیؒ کو بھی ان سے غیر معمولی محبت تھی اور انھیں نجی اور اجتماعی معاملات میں ان پر کامل اعتماد تھا۔ تفسیر تدبر قرآن لکھتے ہوئے ایسے موڑ بھی آئے جہاں مولانا نے جناب خالد مسعودؒ سے اپنی علمی مشکل کا اظہار کیا اور ان پر اس مشکل کا حل نکالنے کی ذمہ داری ڈال دی۔ انھوں نے اس ذمہ داری کو احسن طریقے سے پورا کیا کہ اکثر مرتبہ مولانا ان کی علمی تحقیق اور رائے کے قائل ہوئے۔ تفسیر تدبر قرآن کی کئی جلدوں میں مولانا اصلاحیؒ نے جناب خالد مسعودؒ کی علمی معاونت کا تذکرہ کیا ہے۔

جب خالد مسعودؒ کی عمومی صحت نہایت اچھی رہی۔ وہ بڑے وجیہ اور خوبصورت انسان تھے۔ صبح باقاعدگی سے سیر کرتے لیکن ۱۹۹۰ء میں ان کو قلب کا عارضہ لاحق ہوا۔ ڈاکٹروں نے زیادہ سفر اور چلنے سے منع کر دیا' لیکن اسی سال حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ وہ بتاتے تھے کہ میں نے حج کے ارکان پورے اطمینان قلب کے ساتھ ادا کیے اور کسی قسم کی تکلیف محسوس نہ ہوئی' تاہم بعد میں عارضہ میں اضافہ ہوتا گیا۔ ۱۹۹۳ء میں ان کے دل کا آپریشن ہوا' پھر کئی امراض نے آن گھیرا۔ ان بیماریوں کے علاج کے دوران میں ان کو سخت تکالیف اور پریشانی بھی دیکھنی پڑی' لیکن وہ صبر وشکر کا ایسا پہاڑ تھے کہ کبھی ''ہائے'' تک نہ کہا اور زبان پر کبھی حرف شکایت نہ لائے۔ خود ان کے ڈاکٹر اور معالج حیران تھے کہ یہ مریض کوئی دیوتا ہے۔ یہ بیماریاں بالآخر جان لیوا ثابت ہوئیں۔ یہ علم کا اتھاہ سمندر اور کردار کی مضبوط چٹان یکم اکتوبر ۲۰۰۳ء بروز بدھ جناح ہسپتال لاہور میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملی۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

اب کا نعم البدل اب ہمیں کوئی بھی دکھائی نہیں دیتا۔ جب ہم ان کو آبائی گاؤں للہ میں ان کے دادا کے پہلو میں دفن کر رہے تھے تو میں زبان حال سے ان سے مخاطب تھا اور کہہ رہا تھا کہ ہم نے ہمیشہ آپ سے درخواست کی کہ چند ماہ بہار قیام فرمائیں تاکہ ہم آپ کے علم سے فیض یاب ہو سکیں لیکن

ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!

آج آپ اس شہر خموشاں کو ہمیشہ کے لئے وقت دینے کے لئے خاک آسودہ ہو رہے ہیں۔

ع آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

اسوہ حسنہ

نبیؐ کفار کے لیے ایک چٹان کی طرح مضبوط' بھاری' ناقابل شکست اور سخت تھے' لیکن اہل ایمان کے لیے نہایت شفیق' مونس' نرم خو اور ہر پہلو سے لچک قبول کرنے والے تھے۔ آپؐ کی زندگی کے شب و روز خدا کی رضا طلبی میں گزرتے۔ خالق کے ساتھ تعلق نہایت محکم و استوار تھا۔ سجدوں کے نشان آپ کے چہرہ مبارک پر نمایاں تھے۔ یہی صفت ان صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں بھی اپنا پورا اثر ظاہر کرتی تھیں جو حضورؐ کی تربیت میں تھے۔ ظاہر ہے کہ یہی صفت ہر صاحب ایمان کی زندگی میں نمایاں نظر آنی چاہئیں جو حضورؐ کا نام لیوا ہے۔

(حیات رسول امیؐ' خالد مسعودؒ تلمیذ مولانا امین احسن اصلاحیؒ ص ۵۹۶)

مطبوعات ادارہ تدبرِ قرآن وحدیث

قرآن مجید کے طالب علموں کے لیے ایک ناگزیر کتاب

تفسیر قرآن کے اصول

تالیف: امام حمید الدین فراہی ترجمہ و ترتیب: مولانا خالد مسعود

امام فراہی نے اصول تفسیر مختصراً اپنی تفسیر نظام القرآن کے مقدمہ میں بیان کیے جس کا ترجمہ مولانا امین احسن اصلاحی کے قلم سے مجموعہ تفاسیر فراہی میں شامل ہے لیکن اصول تفسیر پران کی جامع بحثیں ان کی تین تصانیف ۔ دلائل النظام، اسالیب القرآن، التکمیل فی اصول التاویل میں ملتی ہیں جن سے استفادہ عام قاری کے لیے آسان نہیں۔ ان تمام مآخذ کے ضروری مباحث کو اردو میں ترجمہ کر کے ایک نئی ترتیب کے ساتھ اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے تاکہ قرآن مجید کے طلبہ صرف اصول تفسیر کو سمجھ سکیں بلکہ ان کا اطلاق کرنے میں بھی ایک حد تک رہنمائی پاسکیں۔

قیمت 80 روپے

اصول فہم قرآن

تصنیف: مولانا امین احسن اصلاحی ترتیب: عبداللہ غلام احمد

فہم قرآن کے موضوع پر مولانا امین احسن اصلاحی کی مختصر لیکن نہایت قیمتی اور اہم کتاب

موضوعات
- فہم قرآن کے لیے چند بنیادی اصول
- نسخ اور اس کی حکمت
- حکمت قرآن کے فہم کے لیے اساس

قیمت 34 روپے

اسباق النحو

تصنیف: مولانا خالد مسعود

- امام فراہی کی کتاب پہلی نئی ترتیب کے ساتھ
- عربی زبان کے قواعد کی تعلیم کا جدید انداز
- اسم، فعل اور حرف کا ضروری تعارف
- ترجمہ کے لیے مشقیں

"میرے نزدیک یہ کتاب طلبہ فن کے لیے کافی ہے اس سے عربی زبان سیکھنے کی راہ ہموار ہو جائے گی"

مولانا امین احسن اصلاحی

قیمت 36 روپے

ملنے کا پتہ

ادارہ تدبرِ قرآن وحدیث رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد لاہور

فاران فاؤنڈیشن 122۔ فیروز پور روڈ، اچھرہ، لاہور

دار التذکیر رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

ایک ملنسار دوست

خوشی محمد

برادرم خالد مسعود مرحوم میرے ایک نہایت مخلص اہل علم کرم فرما تھے۔ مرحوم سے تعلق حضرت مولانا امین احسن اصلاحیؒ مرحوم کے وسیلے سے ہی ہوا تھا۔ مولانا خالد مسعود علیہ الرحمہ مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے دروس القرآن میں شمولیت فرمایا کرتے تھے۔ دروس القرآن میں مرحوم کے نورانی چہرہ کو دیکھ کر میں ان سے متاثر ہوا تھا اور جب مل بیٹھنے لگا تو واقعی ایک مخلص دوست کی شکل میں میں ایک ایسے آدمی سے روشناس ہوا کہ جس پر میں مطمئن تھا۔ حضرت مولانا اصلاحیؒ کی خوبو بلکہ تشبیہ گفتار وکلام میں، اخلاق وآداب میں حتیٰ کہ تحریر میں بھی نمایاں اور واضح طور پر برادرم خالد مسعودؒ میں موجود تھی۔

حضرت مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی وفات کے صدمے کو احقر نے اس امید پر برداشت کیا کہ اللہ تعالیٰ اب ان کے بعد ان کے شاگردوں میں کم از کم برادرم خالد مسعود اُن کی بڑی حد تک ایک کاپی موجود ہیں۔ دل کے لیے یہ ایک ڈھارس تھی ورنہ مولانا امین احسن اصلاحیؒ بھی تو در حقیقت اپنا مثیل نہیں چھوڑ گئے تھے۔ الھم اغفرلہ وارحمہ

مجھے مولانا خالد مسعود مرحوم کی بیماری کا علم پچھلے سال ہوا تھا۔ وہ یوں کہ میں نے فون کیا اور مرحوم نے خود مجھے بتایا کہ ان کو ہیپا ٹائٹس سی ہو چکا ہے۔ یہ خبر سن کر مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا مگر میں حیران تھا کہ برادرم خالد مسعود کی آواز اور لہجے میں اس قدر سکون اور اتنی ہی تازگی تھی جتنی کسی مطمئن دل انسان میں ہوتی ہے۔ یہ ان کی کرامت تھی وہ ایسی خوفناک اور جان لیوا بیماری کی دہشت سے بالکل خوفزدہ نہیں تھے بلکہ خوش طبعی سے فون پر باتیں کر رہے تھے۔

یہ ناسپاسی ہوگی اگر یہ ذکر نہ کروں کہ مرحوم بھائی خالد مسعود جب بھی ملے انھوں نے مہمان نوازی کی حد کر دی اور ان کی مہمان نوازی بالکل حضرت مولانا امین احسن اصلاحیؒ مرحوم کی مہمان نوازی کے ہم پلہ تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے اور کروٹ کروٹ اُن کی مغفرت فرمائے۔

تدبر قرآن

۹ جلدوں میں مکمل تفسیر قرآن

مولانا امین احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ

- ★ فکر فراہی و اصلاحی کی اہم ترین دستاویز اور خزینۂ معارف
- ★ کتاب الٰہی کے علم و حکمت کو الفاظ، جملوں، آیات، مجموعہ آیات، سورتوں اور سورتوں کے گروپوں کی سطح پر سمجھنے سمجھانے کے لیے
- ★ نظم و نظام قرآن کی اساس پر تفسیری لٹریچر میں گراں قدر اضافہ
- ★ سلف صالحین کے اصولوں پر جدید اسلوب میں
- ★ عہد نو کے تقاضوں کے عین مطابق

صفحات 6074 ، قیمت : 2952 روپے

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ○

تزکیہ نفس (کامل)

مولانا امین احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ

دنیا و آخرت میں کامیابی کے لیے ایک جامع لائحہ عمل جس میں زندگی کے مختلف پہلوؤں کے حوالے سے انسانی نفس کی اصلاح و تربیت کے لیے قرآن و سنت کی روشنی میں عملی رہنمائی فراہم کی گئی ہے۔

قیمت: 285 روپے

ملنے کا پتہ

فاران فاؤنڈیشن 122۔ فیروز پور روڈ، اچھرہ، لاہور

دار التذکیر رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

مدیر 'تدبر' کی رحلت

ڈاکٹر محمد سلیم الدین

جناب خالد مسعودؒ ایک نابغہ روزگار شخصیت تھے۔ وہ علم و عمل کا ایک حسین مرقع تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی کے کم و بیش پچاس سال قرآن پر فکر و تدبر میں گزار دیے۔ وہ مولانا امین احسن اصلاحی کے ہونہار شاگرد تھے۔ انہوں نے بطور جانشین اپنے استاد کے کام کو آگے بڑھایا۔

سہ ماہی 'تدبر' سے میرا تعارف ایک لائبریری میں ہوا تھا۔ یہ تدبر کا ۴۹واں شمارہ تھا۔ جریدے کی وساطت سے ہی مجھے مولانا امین احسن اصلاحیؒ اور جناب خالد مسعودؒ صاحب سے واقفیت ہوئی۔ اُس کے بعد میں 'تدبر' کا مستقل قاری بن گیا۔ مدیر 'تدبر' جناب خالد مسعود صاحب سے وقتاً فوقتاً جریدے سے متعلق مشکلات کے بارے خط و کتابت ہوتی رہی۔

خالد مسعود صاحب کے بارے میں مجھے تمام معلومات جریدہ 'تدبر' اور اُن کے لکھے ہوئے خطوط کی بدولت ہی حاصل ہوئیں۔ بڑی دفعہ پروگرام بنایا کہ اُن سے بالمشافہ ملاقات ہو اور اُن کے درسِ قرآن میں شریک ہوا جائے لیکن سستی کی وجہ سے ایسا نہ ہو سکا۔ افسوس کہ اب یہ خواہش حسرت میں بدل گئی ہے!

'تدبر' کے گزشتہ شمارہ میں جناب محبوب سبحانی کا لکھا ہوا مضمون ''دگر دانائے راز'' پڑھا تو پتہ چلا کہ مرحوم خالد مسعود صاحب کس پائے کے عالم قرآن و حدیث تھے۔ اُن کی شخصیت کے دیگر پہلوؤں کا بھی پتہ چلا۔ انہوں نے اپنے استاذ مولانا امین احسن اصلاحیؒ سے اکتسابِ فیض کیا اور بعد ازاں اُن کے شاگردِ رشید اور جانشین ہونے کا مرتبہ حاصل کیا۔ وہ عرصہ بیس سال سے تدبر کے مدیر رہے اور تا حیات اس ذمہ داری کو نبھاتے رہے۔

جناب خالد مسعود صاحب نے مولانا حمید الدین فراہیؒ کی بعض عربی کتب اور کچھ کتب کو از سرِ نو مرتب کیا۔ آپ کے اپنے مقالات بھی جریدہ 'تدبر' میں اکثر شائع ہوتے رہے۔ یہ مقالات تحقیقی لحاظ سے اعلیٰ پائے کے ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ مختلف شماروں میں منقسم ان مقالات کو کتابی شکل میں مرتب کیا جائے جو کہ تشنگان علم کیلئے ایک عظیم تحفہ ہوگا۔ جناب خالد مسعود صاحب کی لکھی ہوئی کتاب "حیات رسول امیؐ" سیرت النبیؐ کے عظیم ذخیرے میں ایک گرانقدر اضافہ ہے۔ اس سے قبل اس نہج پر شاید ہی کوئی کتاب سیرت پر لکھی گئی ہو۔ اس کتاب میں آپ نے ثابت کیا ہے کہ آنحضورؐ نے مکہ پر چڑھائی کے لیے جو راستہ اختیار کیا تھا' مخالف فریق اس سے بخوبی واقف تھا۔ کتب سیرت میں فتح مکہ کے بارے میں متضاد خیالات بیان ہوئے ہیں' لیکن آپ کی کتاب سے بہت سے سارے اشکال دور ہو جاتے ہیں۔

علم و عرفان کا یہ ماہ کامل یکم اکتوبر ۲۰۰۳ء کو غروب ہو گیا مگر وہ اپنے علمی کارناموں کی وجہ سے آنے والی نسلوں کو ضیاء پاش کرتا رہے گا۔ قحط الرجال کے اس دور میں ہم اپنے اکابر علمائے دین سے محروم ہوتے جا رہے ہیں۔ ہمارے معاشرے کی ترجیحات بدل گئی ہیں۔ ہم ان علمی ہستیوں کو ان کا جائز مقام دیں یا نہ دیں وہ انشاء اللہ بارگاہ الٰہی میں سرخرو ضرور ہوتی رہیں گی۔ رب کریم مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور ان کے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ہمیں بقول محبوب سبحانی صاحب' جناب خالد مسعود صاحب کا نعم البدل عطا کرے ــــــ آمین۔

ــ علیم

ꕥ

GOD-FEARING PERSON

May shower his choicest blessings on the soul of my dear friend, Khalid Masood. His demise came to all of us as a surprise for not many knew that he was ill for some time past. He was such a pious and God-Fearing Person and has done so much to spread the message of Islam. His work and efforts in the cause of book of Allah are now a part of history and Insha Allah He will have his reward with his Lord. May Allah help us all to follow in his footsteps with a similar dedication and single-mindedness. I am writing an obituary on him for the Impact International, London. May Allah bless him and accepts his efforts in his cause with the most gracious acceptance. Please accept my humble condolences to the family and his friends of the tadabbur circle.

(Saleem Kayani, England)

میرے استاد

محمد ہارون عثمانی

[مولانا امین احسن اصلاحی کے حوالے سے خالد مسعود صاحب سے ایک انٹرویو]

یکم اکتوبر ۲۰۰۳ء کی شام احسن تہامی صاحب کا فون آیا تو میں ذہنی طور پر کسی حادثے کی اطلاع کے لئے تیار نہ تھا۔ اسی لئے جب انھوں نے مجھے خالد مسعود صاحب کے انتقال کی خبر سنائی تو میری سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کس کے انتقال کی خبر دے رہے ہیں۔ دوبارہ پوچھنے پر انھوں نے دہرایا' لیکن اب بھی میں یقین کرنے کو تیار نہ تھا۔ ایک روز قبل ہی تو میں اُن کو قائداعظم لائبریری سے واپس ان کے گھر لے کر گیا تھا۔ وہ کمزور تو دکھائی دے رہے تھے' لیکن اتنی جلدی ہمیں چھوڑ جائیں گے' اس پر یقین کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔

۳۰ رستمبر کو دو بجے قائداعظم لائبریری میں چھٹی کے وقت میں اپنی نشست سے اٹھا تو رسالہ تدبر کے کمپوزر اکرام الحق نے بتایا کہ خالد مسعود صاحب آئے ہوئے ہیں۔ ان کا گھر آپ کے راستے میں ہے اس لئے آپ انھیں گھر چھوڑ دیں۔ مجھے حیرانی کے ساتھ خوشی بھی ہوئی۔ حیرانی اس بات کی تھی کہ وہ اتنی طبیعت خراب ہونے کے باوجود لائبریری آئے ہوئے تھے۔ خوشی اس بات کی تھی کہ مجھے ان سے ان کی سیرت طیبہ پر تازہ کتاب ''حیات رسول امی'' پر بات کرنے کا موقع مل رہا تھا۔

اُن کی آمد سے کچھ دیر قبل داؤد احمد صاحب لائبریری سے ہو کر گئے تھے۔ خالد مسعود صاحب نے مجھے بتایا کہ ''میں اسی خیال سے آیا تھا کہ واپسی میں ان کے ساتھ چلا جاؤں گا' لیکن وہ میرے آنے سے پہلے ہی جا چکے تھے''۔ شاید یہ سارا اہتمام قدرت نے مجھے ان کی رفاقت سے فیض یاب کرنے کے لئے کیا تھا۔ میں نے سیرت پر اتنی زبردست کتاب لکھنے پر میں نے انھیں مبارک باد دی تو ایک عجیب سی روشنی اُن کے زرد اور کمزور چہرے پر پھیل گئی اور ایک انجانی سی خوشی اُن کے وجود سے پھوٹنے لگی' گویا انھوں نے کسی بہت بڑے کام کی تکمیل کر لی ہو اور ان کا قلب مطمئن ہو گیا ہو۔

میں ''حیاتِ رسول امیؐ'' کے حوالے سے بہت پر جوش تھا۔ راستہ بھر میں اس پر اظہار خیال کرتا رہا اور وہ مسکراتے ہوئے سنتے رہے۔ میں نے اس میں اختلافی واقعات اور روایات کے محاکمے کے تذکرے کے بعد ان کے بیان کی سادگی کا ذکر کیا تو کہنے لگے کہ مجھے زبان اور اسلوب کے حوالے سے ڈر تھا۔ میں نے انھیں ذاتی رائے سے آگاہ کیا کہ پہلی مرتبہ سیرت پر سادہ اور ابلاغ کی زبان میں اتنی مستند کتاب لکھی گئی ہے تو بہت خوش ہوئے۔ گھر جا کر اس بات کا تذکرہ انھوں نے اپنے صاحبزادے حسان عارف سے بھی کیا۔

خالد مسعود صاحب قائداعظم لائبریری میں میرے شریک کار رہے ہیں، لیکن میں اسے اپنی کم نصیبی کہوں یا کچھ اور کہ اُس دور میں میں ان کے علمی مرتبے سے ذرا آگاہ نہیں تھا۔ بالکل اسی طرح جیسے مولانا امین احسن اصلاحیؒ صاحب کو میں ان کی حیات میں نہیں جانتا تھا۔ خالد مسعود صاحب قائداعظم لائبریری میں ریسرچ اسکالر تھے۔ وہ کم آمیز اور سنجیدہ طبیعت کے مالک تھے۔ لائبریری میں صبح کے وقت روزانہ درس ہوتا تھا۔ ہفتے میں ایک دن خالد مسعود صاحب درس قرآن دیا کرتے تھے، وہ ہم ضرور سنا کرتے تھے لیکن ان کی ریٹائرمنٹ کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔

۱۹۹۹ء میں اردو میں ایم فل کا ارادہ کیا تو قائداعظم لائبریری میں میرے سب سے قریبی دوست محترم محمد احسن تہامی نے مقالے کے لیے ''مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی نثری خدمات'' کا عنوان تجویز کیا جسے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی نے منظور کر لیا۔ اس دوران مجھے مولانا امین احسن اصلاحیؒ اور ان سے وابستہ لوگوں کے بارے میں جاننے کا موقع ملا اور تلمیذ فراہیؒ مولانا امین احسن اصلاحیؒ اور تلامذۂ اصلاحیؒ جناب خالد مسعودؒ اور جناب جاوید احمد غامدی کے علمی مقام و مرتبہ اور اُن کی فکر کے بارے میں علم ہوا۔ میرے مقالے کے نگران ڈاکٹر زاہد منیر عامر نے مولانا اصلاحیؒ کے قریبی اصحاب کا انٹرویو لینے کو کہا تو سب سے پہلا نام جناب خالد مسعود صاحب کا ہی ذہن میں آیا۔ ۱۵ اردسمبر ۲۰۰۲ء کو میں جناب خالد مسعود صاحب سے وقت لے کر ان کی رہائش گاہ واقع سمن آباد میں پہنچا تو بہت شفقت سے ملے اور پوری طرح سے میری رہنمائی کی۔ اصلاحی صاحبؒ کے حوالے سے سہ ماہی تدبر اور ماہنامہ شمس الاسلام بھیرہ کے شمارے بھی عنایت کیے۔ انھیں استاد مولانا امین احسن اصلاحیؒ سے بے پناہ محبت اور عقیدت تھی۔ یہ محبت اور عقیدت اُن کے اس انٹرویو میں بھی جھلکتی ہے جو میں نے مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے حوالے سے لیا تھا۔ یہ انٹرویو تدبر کے قارئین کے لیے پیش خدمت ہے:

سوال: مولانا امین احسن اصلاحیؒ سے آپ کا تعلق کب اور کیسے قائم ہوا؟

خالد مسعود: یہ جنوری ۱۹۵۸ء کی بات ہے میں قرآن فہمی کے لیے درست سمت کا متلاشی تھا۔ میں اور میرے دوست محبوب سبحانی مولانا کے پاس حاضر ہوئے اور قرآن پڑھانے کی درخواست کی۔ مولانا نے ہم دونوں کو روزانہ بعد از نماز عصر آنے کے لیے کہا۔ ہم روز جاتے رہے، لیکن ڈیڑھ ماہ تک درس کی نوبت نہ آئی۔

ہم جاتے اور مولانا عصر سے مغرب تک کا وقت ادھر ادھر کی باتوں میں گزار دیتے' بالآخر مولانا کو کہنا پڑا کہ تم لوگ بہت سخت جان ہو۔ میرا خیال تھا کہ چند روز میں جوش ختم ہو جائے گا' لیکن تم لوگ سنجیدہ محسوس ہوتے ہو لہٰذا کام شروع کرنا چاہیے۔ یوں مولانا اصلاحی سے تعلق قائم ہوا جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مضبوط ہوتا چلا گیا۔

سوال: مولانا کے انداز رہائش اور طرز تکلم کے بارے میں کچھ روشنی ڈالیں۔ نیز یہ بھی بتائیں کہ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے علاوہ ان کی اور کیا مصروفیات تھیں؟

خالد مسعود: مولانا کی طبیعت میں بے نیازی تھی۔ وہ اپنے استعمال کی چیزوں کی طرف سے بھی بے نیاز رہتے تھے۔ مدرسہ میں مولانا اختر احسن اصلاحی اور گھر میں ان کی اہلیہ ان کا خیال رکھتی تھیں۔ مدرسہ سے گھر جاتے تو مولانا اختر احسن اصلاحی ایک روپے کا ٹکٹ لے دیتے۔ سالم تانگہ گھر تک پہنچا آتا۔ واپسی پر ان کی بیگم ادائیگی کر دیتیں۔ ان کی تنخواہ بیس (۲۰) روپے تھی' لیکن مدرسۃ الاصلاح کے رجسٹروں میں ان کے دستخط نہیں ملتے۔ یہ نہیں کہ وہ تنخواہ نہیں لیتے تھے' بس بے نیاز قسم کے تھے۔ صاف ستھرے دھلے ہوئے کپڑے پہنتے تھے' لیکن انتخاب اور خریداری گھر والے کرتے تھے۔ خوش پوش تھے۔ خوراک میں مرغن غذائیں پسند نہیں کرتے تھے۔ ارہر کی دال مرغوب تھی۔ اس کی موجودگی میں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوا کرتی تھی۔ مدرسۃ الاصلاح کے زمانے میں انھوں نے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا کہ کون سی چیز طالب علموں کو ناشتے میں دی جائے کہ پیٹ بھی بھر جائے' ارزاں بھی ہو اور غذائیت سے پُر بھی ہو۔ ڈاکٹر صاحب نے کالے چنے تجویز کیے۔ بس تب سے تمام اساتذہ اور طلبا کے لیے یہ ناشتہ بننے لگا۔ وہ خود بھی یہ ناشتہ کرتے تھے اور یہ رسم ابھی تک جاری ہے۔ میرے مدرسہ کے دورے پر بھی یہی ناشتہ تھا۔

گفتگو میں شگفتہ تھے۔ آدمی لوٹ پوٹ ہو جاتا۔ نکتہ آفریں تھے۔ ان کے غصے کے بارے میں پروپیگنڈہ کیا گیا ہے۔ انھیں غصہ دلایا جاتا تھا۔ اکثر جماعت اسلامی اور ڈاکٹر اسرار احمد سے وابستہ لوگ Tease کرتے تو غصہ آ جاتا۔ وہ عام حالات میں جلالی ضرور تھے' لیکن بااصول آدمی جلالی ہوتا ہے۔ وہ صاحب رائے اور سوچنے والے انسان تھے۔ ان کی متعین رائے مبنی بر دلائل ہوتی تھی۔ اس پر وہ جلال بھی دکھاتے تھے مثلاً ایک مرتبہ بھارت میں مولانا اشرف علی تھانوی اور دیگر علمائے دیوبند نے مولانا فراہی پر کفر کا فتویٰ لگا دیا۔ یہ غصے والا معاملہ تھا' مولانا برداشت نہ کر سکے۔ بعد میں علمائے دیوبند کو غلطی کا احساس ہوا تو ایک وفد [illegible] آیا۔ مولانا اس وقت بخار میں مبتلا تھے۔ کسی نے اطلاع دی کہ وفد آیا ہے مگر کسی میں آپ کے علاوہ سامنا [illegible] نے کی ہمت نہیں۔ آپ نے کہا کہ مجھے بخار ہے۔ اصرار پر

تشریف لے گئے۔ سارے علمائے کرام موجود تھے۔ جاتے ہی مولانا نے فارسی کا شعر پڑھا جس کا مفہوم تھا کہ آ ئے کوئی میدان میں۔ تمام علما دم بخود رہ گئے۔ کہنے لگے کہ غلط فہمی کی بنا پر یہ ہوا تھا۔ بعد میں مولانا نے اپنی تقریر میں بھی انھیں احساس دلایا۔ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے علاوہ مولانا کا زیادہ وقت سوچ بچار میں گزرتا تھا۔

سوال: مولانا اصلاحی کی نثر کی امتیازی خصوصیات آپ کی نظر میں کون کون سی ہیں؟

خالد مسعود: وہ مختلف موضوعات پر مختلف اسالیب اختیار کرتے تھے۔ بہت ہی علمی موضوعات پر لکھی تحریروں میں علمیت نظر آئے گی۔ مباحث میں مدلل اور وکیلانہ انداز اور معاشرتی مسائل پر لکھتے ہوئے طنز کا عنصر نظر آتا ہے۔ مثلاً مبادی تدبر حدیث عالمانہ اسلوب میں ہے۔ تفسیر تدبر قرآن ابلاغ کے نکتہ نظر سے علمیت اور سادگی کا امتزاج رکھتی ہے۔ عورت پر ان کی کتاب میں وکیلانہ انداز اختیار کیا گیا ہے۔ مقالات اصلاحی کے اکثر مضامین میں طنز نظر آتی ہے۔ نکتہ آفرینی بھی ان کی تحریر کا حصہ تھی۔

سوال: مولانا اصلاحی کی کس تحریر کو آپ ادبی نثر کا بہترین نمونہ سمجھتے ہیں؟

خالد مسعود: دعوت دین اور اس کا طریق کار۔ انتہائی سادگی سے بڑی بات کہہ ڈالی ہے۔ سہل ممتنع کا استعمال کیا ہے۔

سوال: آپ کے نزدیک مولانا اصلاحی کی شخصیت کے تشکیلی عناصر کون کون سے ہیں؟

خالد مسعود: اُن کے اساتذہ مولانا عبدالرحمن نگرامی اور مولانا حمید الدین فراہیؒ نے ان کی شخصیت کی تکمیل میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

سوال: مولانا اصلاحی دورِ طالب علمی میں 'ادیب الہند' بننا چاہتے تھے۔ اس حوالے سے ان کا نظریہ ادب کیا تھا؟

خالد مسعود: میرے خیال میں 'ادیب الہند' والی بات سنجیدہ جواب نہیں ہے۔ انھوں نے غالباً شگفتگی والے انداز میں بات کی تھی۔ وہ شروع میں ابوالکلام آزاد سے متاثر تھے۔ ابتدائی تحریریں پر شکوہ اسلوب میں لکھی گئی ہیں مثلاً حقیقت توحید اور حقیقت شرک وغیرہ لیکن بعد میں ابلاغ کے نکتہ نظر سے اپنا اسلوب تبدیل کیا۔ ان کا نظریہ ادب ابلاغ ہی تھا' عام لوگوں تک زیادہ سے زیادہ دین کی بات پہنچانا۔

ربا سے متعلق ایک اہم انٹرویو

میاں محمد صدیق

۱۹۸۶ء کے اوائل کی بات ہے میں وزارت مذہبی امور سے وابستہ تھا اور حکومت ربا سے متعلق اسلامی اسکالرز سے مشورے کر رہی تھی۔ اس سلسلے میں میں قائد اعظم لائبریری گیا تو چیف لائبریرین ایئر کموڈور (ر) انعام الحق صاحب سے اپنی مشکل کا اظہار کیا۔ آپ مجھے لائبریری کے شعبہ محققین میں لے گئے جہاں پہلی بار مولانا خالد مسعود سے تعارف ہوا۔ آپ وہاں بطور ریسرچ اسکالر تعینات تھے۔ میں نے ربا سے متعلق اپنے اشکالات بیان کئے تو آپ نے بڑے ہی بہترین انداز سے جواب دیئے۔ میں ان کے علم اور سادگی سے بہت متاثر ہوا۔ میں نے ان سے سوالات انٹرویو کی شکل میں کیے اور انھوں نے جو جواب دیئے وہ حاضر خدمت ہیں۔

س: قرآن مجید اور سنت کی روشنی میں ربا کا صحیح مفہوم کیا ہے اور قبل از اسلام اس سے کیا مراد لی جاتی تھی؟ کیا ربا سے مراد ایسا سود ہے جو اصل زر کو دوگنا اور سہ گنا کر دیتا ہے یا اس میں قرض خواہ کی طرف سے وصول کیا جانے والا رائج الوقت سود مفرد اور سود مرکب بھی شامل ہے؟

ج: ربا سے مراد وہ معین اضافہ ہے جو ایک قرض دینے والا مجرد مہلت کے عوض مقروض سے اپنے راس المال پر وصول کرتا ہے۔ زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں میں یہ اصطلاح مذکورہ مفہوم کیلئے مشہور رہی ہے۔ گو اس کی شکلیں مختلف رہی ہیں اور ہو سکتی ہیں لیکن اس کی اصل حقیقت یہی ہے کہ قرض دینے والا قرض دار سے ایک معین شرح پر صرف اس حق کی بنا پر اپنے دیئے ہوئے سرمائے کا منافع وصول کرے کہ اس نے ایک خاص مدت کیلئے اس کو سرمائے کے استعمال کی اجازت دی ہے۔ شرح سود کا کم ہونا اسے ربا کی تعریف سے خارج نہیں کرتا۔ قرآن میں اضعافاً مضاعفۃً کے الفاظ اس زمانے کے سود کی بعض ظالمانہ شکلوں کی کراہیت کو مزید نمایاں کرنے کیلئے آئے ہیں۔ جس طرح سورہ نور کی آیت "لاتکرھوا فتیاتکم علی

البغاء ان اردن تحصنا ''میں ان اردن تحصنا کے الفاظ زنا کے جواز کیلئے نہیں بلکہ اس زمانے کے بعض مالکوں کے فعل کی شناعت کو واضح کرنے کے لئے آئے ہیں اسی طرح سود کے گھناؤنے پن کو ظاہر کرنے کیلئے اضعافاً مضاعفة کے الفاظ آئے ہیں۔

س: کیا ظہور اسلام کے بعد ہونے والی ترقی اور تبدیلیوں کے پیش نظر ربا کی نئی تشریح کی جاسکتی ہے؟

ج: ربا کا مفہوم متعین ہونے کے بعد صرف اس امر کی گنجائش ہے کہ معاملات کی نئی نئی صورتوں پر غور کیا جاتا رہے کہ ربا کی تعریف کا اطلاق ان پر بھی ہوتا ہے یا نہیں۔

س: کیا اسلامی تعلیمات اور احکام کے مطابق دو مسلم ریاستوں کے درمیان یا ایک مسلم اور دوسری غیر مسلم ریاست کے مابین سود کی بنیاد پر کاروبار جائز ہے؟

ج: ایک اسلامی ریاست کیلئے اس بات کا کوئی جواز نہیں کہ وہ کسی دوسری ریاست کو دیئے گئے قرضہ پر سود وصول کرے تاہم اگر وہ ناگزیر قومی ضروریات کیلئے بیرونی قرضہ کی محتاج ہو تو اسے سود ادا کرنے کی رخصت ہوگی۔

س: حکومت قومی ضروریات کے لئے جو قرضے جاری کرتی ہے' کیا ان پر لاگو ہونے والا سود ربا کی ذیل میں آتا ہے؟

ج: حکومت جب قوم ہی کی ضروریات کیلئے اپنی ہی قوم سے قرض کی طالب ہوتی ہے تو جو افراد اس سے سود کے طالب ہوتے ہیں' ان کا یہ فعل نہ صرف ربا ہے بلکہ اس میں ناسپاسی و بے غیرتی اور قوم سے غداری کی سنگین قباحتیں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔

س: کیا آپ کے خیال میں غیر سودی بینکاری نظام ممکن ہے؟

ج: غیر سودی بینکاری ممکن ہے۔ اس وقت بھی بینکوں کا زیادہ سرمایہ چالت حساب پر جمع ہوتا ہے جس پر بینک سود ادا نہیں کرتے۔ بینکوں کے نظام کی فراہم کردہ لین دین اور ملکی و غیر ملکی تجارت کی سہولتیں اور بچتوں کا تحفظ بینکوں کی بقا کی ضمانت اس صورت میں بھی ہوں گی جب بینکاری غیر سودی ہو۔ مزید برآں فکسڈ ڈیپازٹ اور سیونگ بینک ڈیپازٹ کو بینک مضاربت کے اصول پر کاروبار میں شریک بھی کر سکتا ہے۔ دوسرے حسابات اور سہولتوں پر وہ اپنے اخراجات بھی وصول کرنے کا مستحق ہے۔

س: کیا اسلامی احکام کی روشنی میں بینکوں کی فراہم کردہ سہولتوں یا خدمات کے عوض سود کی وصولی کے سلسلہ میں نجی اور سرکاری بینکاری میں کوئی امتیاز کیا جاسکتا ہے؟

ج: نجی اور سرکاری بینکاری میں امتیاز قائم کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

س: کیا حکومت کے مملوکہ یا اس کے زیر نگرانی چلنے والے بینکاری کے کسی ادارہ کو نا معلوم یا غیر تشریح شدہ مالک کی ملکیت (مال مجہول المالک) قرار دیا جا سکتا ہے؟

ج: حکومت کے زیر اہتمام چلنے والا ہر ادارہ پوری قوم کی ملکیت ہوتا ہے، جس کی نمائندگی رئیس مملکت کرتا ہے۔ ایسے ادارہ پر وہی قوانین لاگو ہوں گے جو دوسرے افراد کے اداروں پر لاگو ہوتے ہیں۔

س: کیا اسلامی تعلیمات کے بموجب سرمایہ کو عامل پیداوار (Agent of Production) قرار دیا جا سکتا ہے اور اس کے استعمال کے عوض کوئی معاوضہ دیا جا سکتا ہے؟

ج: عمل پیداوار میں سرمائے کا حاصل مثبت اور منفی دونوں ہو سکتا ہے۔ مثبت حاصل کی صورت میں اس کے استعمال کے عوض معاوضہ تو دیا جا سکتا ہے، لیکن اس کو پہلے سے متعین کر لینا ممکن نہیں۔ اس لئے معاوضہ کی یہی شکل جائز ہے کہ سرمایہ کاروبار میں مضاربت یا شراکت کے اصول پر شریک ہو اور نفع و نقصان کی ذمہ داری قبول کرے۔

س: کیا بیمہ کا کاروبار سود کے بغیر چلایا جا سکتا ہے؟

ج: بیمہ اگرچہ اسلامی نقطہ نظر سے اپنے اندر بعض قباحتیں رکھتا ہے، لیکن جہاں تک سود کا تعلق ہے یہ بیمہ کے کاروبار کا لازمہ نہیں۔ بیمہ کمپنی رقوم کو اس کاروبار میں لگا سکتی ہے جس میں سود کا دخل نہ ہو۔

س: کیا اسلام کے اقتصادی نظام میں قومی سرمایہ کی تشکیل کے لیے بچت کی حوصلہ افزائی کرنے والی کوئی جائز ترغیبات موجود ہیں؟

ج: اسلام مومنین پر یہ پابندی عائد کرتا ہے کہ وہ اپنا مال کسی ناجائز تصرف میں نہ لائیں۔ تبذیر اور اسراف ممنوع قرار دیے گئے ہیں، تعیشات کی سخت حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔ دوسری طرف ادائے حقوق اور ملی کاموں میں خرچ کو اعلیٰ نیکیوں کا درجہ دیا گیا ہے۔ اس وجہ سے اسلامی نظام میں افراد بچت اور ملی کاموں میں صرف دولت دونوں کا زبردست داعیہ رکھتے ہیں۔ اسلامی حکومت سرمایہ کی تشکیل کیلئے اگر کوئی جائز شکلیں نافذ کرے تو اس کا حق حاصل ہے۔

س: ایک ملازم کو اپنے پراویڈنٹ فنڈ سے قرض لینے پر جو رقم بطور سود ادا کرنا پڑتی ہے اور جو بعد میں اس کے اسی فنڈ میں جمع کر دی جاتی ہے، کیا آپ اسے ربا کہیں گے؟

ج: اگر ملازم کا حساب بلا سود ہو تو یہ رقم ربا نہیں ہو گی۔

س: پراویڈنٹ فنڈ اور سیونگز بینک اکاؤنٹ پر جو نفع دیا جاتا ہے، کیا وہ ربا کی تعریف میں آتا ہے؟

ج: جی ہاں یہ ربا ہے۔

س: کیا انعامی بانڈوں پر یا سیونگ بینک اکاؤنٹ پر بطور انعام دی جانے والی رقم ربا کی تعریف میں داخل ہے؟

ج: یہ انعامات یا تو رقم کو ایک مدت تک روکنے سے مشروط ہوتے ہیں یا حساب میں کم از کم رقم رکھنے سے۔ دونوں صورتوں میں یہ ربا کی تعریف میں آتے ہیں۔ انعامات کی تقسیم میں سود کی تقسیم اور لاٹری دونوں کی قباحتیں جمع ہو جاتی ہیں۔

س: کیا اسلامی قانون کے تحت تجارتی اور غیر تجارتی قرضوں میں امتیاز کرنا درست ہوگا جبکہ تجارتی قرضوں پر سود لیا جائے اور غیر تجارتی قرضے بلا سود ہوں؟

ج: اسلام نے سود کے معاملے میں تجارتی اور غیر تجارتی قرضوں میں کوئی فرق نہیں رکھا۔ بلا سود بینکاری کے نظام میں بینک تجارتی قرضوں کے معاملہ میں یہ پالیسی اختیار کر سکتا ہے کہ وہ مقروض کے ساتھ شراکت کر کے نفع میں شریک ہو جائے۔ غیر تجارتی قرضوں پر وہ بینک کے اخراجات وصول کر سکتا ہے۔

س: جدید معاشی نظریہ کے طور پر سود کے معنی اس شرح سود سے مختلف ہو گئے ہیں جو قرض پر واقعی ادا کیا جاتا ہے مثلاً ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل میں ماہرین معاشیات 'فرضی شرح سود'' (Shadow Interest rate) سے کام لیتے ہیں جس سے سرمایہ کی کمیابی کی قیمت (Scarcity value of capital) ظاہر ہوتی ہے۔ کیا اس قسم کا نظریہ اقتصادی حکمت عملی کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے' خواہ واقعی سود ادا کیا جائے یا نہ ادا کیا جائے؟

ج: یہ نظریہ کسی منصوبہ کی پیداواری صلاحیت کا تخمینہ لگانے کیلئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

مکاتیبِ خالد مسعودؒ

باسمہ تعالیٰ

جناب الیاس نعمانی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

نوازش نامہ ملا۔ سرائے میر کے سفر کے تاثرات پر آپ نے جو کچھ لکھا اس سے اس حسن ظن کا اظہار ہوتا ہے جو آپ میری ذات سے رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اس کے لائق بنائے۔

مولانا اصلاحی کے نزدیک قرآن مجید کے زمانہ نزول میں صائبین قلیل تعداد میں موجود تھے۔ ان کی عبادات کی مشابہت ہی کے باعث قریش مسلمانوں کو ان کے طریقہ عبادت کا حامل کہتے۔ گویا یہ فرقہ اپنے وجود سے لوگوں میں معروف تھا، لیکن تعداد میں بے حد کم ہونے کی وجہ سے معدوم کے حکم میں تھا۔ ص ۱۹۳ کی عبارت میں مولانا اس فرقہ کو دوسرے اہم مذاہب اسلام، یہودیت اور نصرانیت کے بالمقابل غیر معروف قرار دے رہے ہیں۔ سیاق وسباق کے لحاظ سے میرے نزدیک مولانا کی بات میں تضاد نہیں۔

حدیث پر مولانا کے دروس مرتب ہو کر تدبر میں چھپ رہے ہیں، لیکن ابھی کتابی شکل میں ان کو لانے کا انتظام نہیں ہو سکا۔ ''مبادی تدبر قرآن'' اور ''مبادی تدبر حدیث'' ہندوستان میں شائع نہیں ہوئے۔

امام فراہیؒ کی کتب پر آج کل ہندوستان میں کام تو ہو رہا ہے اور مولانا مرحوم کے پوتے ڈاکٹر عبید اللہ فراہی صاحب اس سلسلہ میں کتابچے شائع کر چکے ہیں۔ مولانا کی کتاب ''حکمت القرآن'' کا ترجمہ بھی مدرسۃ الاصلاح سے شائع ہوا ہے۔ بہر حال یہاں بیٹھے ہوئے سرائے میر کے معاملات پر میرا کیا اختیار ہو سکتا ہے؟

والسلام

خالد مسعود

22/جون 1999ء

باسمہ تعالیٰ

جناب الیاس نعمانی صاحب

السلام علیکم رحمۃ اللہ۔

آپ کا نوازش نامہ ملا۔ جواب قدرے تاخیر سے دینے پر معذرت خواہ ہوں۔

اصحاب کہف کا واقعہ مفصل سنانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو توجہ دلائی ہے کہ اپنے سوال کا مفصل جواب پاکر بھی آپ کے معترضین خاموش نہیں رہیں گے بلکہ اصحاب کہف کی تعداد اور مدت قیام کے بارے میں بحث اٹھائیں گے۔ اس ضمن میں جب آنحضرت کو یہ ہدایت دی کہ وہ بحث و مناظرہ میں نہ الجھیں تو ہیں لا تقولن لشئی ۔۔۔ کی ہدایت بھی دے دی کہ آپ وحی آنے کے اعتماد پر کوئی وعدہ نہ کیا کریں۔ وحی کا نزول اللہ تعالیٰ کی حکمت کے تابع ہے۔ اس طرح تمام ہدایات یکجا ہو گئیں اور اس کے بعد سلسلہ کلام کی تکمیل کر دی۔ اس طرح سلسلہ کلام کو توڑ کر بات کرنے کی دوسری مثالیں بھی ہیں مثلاً سورہ قیامہ میں لا تحرک به لسانک لتعجل به ۔۔۔ سورہ نوح میں حضرت نوح علیہ السلام کی بددعا کے بیچ میں مما خطیئاتهم ۔۔۔ کی آیت۔

قرائن اس بات کے موجود ہیں کہ اصحاب کہف والا سوال بطور امتحان اہل کتاب کی طرف سے اٹھایا گیا تھا۔ نبیؐ نے وحی کے اعتماد پر اگلے دن اس کا جواب دینے کا وعدہ کر لیا۔ آئندہ اس طرز عمل کو روکنے کے لئے مذکورہ ہدایت آئی لیکن اسے الگ سے ممیز کرنے کے بجائے بحث و مناظرہ کے سلسلہ کی ہدایات ہی کا حصہ بنا دیا گیا۔ یہ ہدایات اتنی لازمی تھیں کہ ان کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے بات کی تکمیل سے قبل ان ہدایات کی تکمیل کرنا ضروری ہوا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

والسلام

خالد مسعود

11 مئی 1999ء

باسمہ تعالیٰ

محترمی جناب ڈاکٹر محمد سلیم صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کا نوازش نامہ ملا۔ بڑی خوشی ہوئی کہ آپ رسالے کے مضامین کو بڑی توجہ سے اور غور وفکر کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ مولانا اصلاحی مدظلہ کے ساتھ ایک بڑی مشکل یہ ہے کہ اب وہ عمر کے جس حصہ میں ہیں وہاں نہ کوئی چیز ان کو پڑھائی جاسکتی اور نہ سنائی جاسکتی ہے۔ یہ دروس جو تدبر میں چھاپے جا رہے ہیں سالوں پہلے دیئے گئے ہیں اور سعید احمد صاحب ٹیپ سے اتار کر ان کو شائع کرتے ہیں لہٰذا ان سے متعلق اشکالات کا حل اب مولانا سے حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔

درس شروع کرنے سے قبل مولانا نے تدبر حدیث کے موضوع پر کچھ اصولی باتیں بیان کی تھیں جو اس وقت ''مبادیٔ تدبر حدیث'' کے نام سے کتابی صورت میں ملتی ہیں۔ معلوم نہیں یہ کتاب آپ کی نظر سے گزری یا نہیں۔ اس کتاب سے آپ کو روایات کے متعلق مولانا کا نقطہ نظر سمجھنے میں مدد ملے گی۔

آپ نے یہ جو باتیں لکھی ہیں کہ دین مکمل ہو چکا اب اس میں اضافہ کیوں قبول ہوگا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی جھوٹ کیوں منسوب کرے گا کیونکہ اس کا انجام دوزخ ہے' خواب میں دیا ہوا حکم کوئی کیوں قبول کرے گا وغیرہ۔ تو یہ اس شخص کے اقوال ہیں جو ان معاملات میں بے حد محتاط ہے۔ بالعموم یہ باتیں درست نہیں ہیں۔ ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ ایک مشہور عالم دین کے خوابوں کا ذکر اخبارات کی زینت بنا تھا اور ہر طبقے کی طرف سے اس پر حیرت کا اظہار کیا گیا۔ بہت سے لوگوں نے انھیں آنحضرتؐ کی تحقیر کا مجرم ٹھہرایا۔ آخر یہ بھی اسی دنیا کے واقعات ہیں اور پڑھے لکھوں کے۔ ان سے بھی تو عبرت حاصل ہونی چاہیے نیز ہمارے ملک میں ایک بہت بڑی تعداد تو محض کشف پر دین کی بنیاد رکھ دینے کی قائل ہے۔ اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات اور زیارت بھی ضروری نہیں۔ کشف کے ذریعہ سے نامعلوم کتنی بدعات ہمارے معاشرہ میں راہ پا چکی ہیں۔ آخر ان چیزوں کے بارے میں عوامی سوچ کو بدلنے کی ضرورت ہے یا نہیں۔ مولانا کی تحریروں کو آپ اس نقطہ نظر سے بھی دیکھئے۔ دین کو بدلنے اور جھوٹ بولنے سے لوگ اتنا نہیں ڈرتے جتنا آپ ڈر رہے ہیں۔

سند سے مولانا اس لئے بحث نہیں کرتے کہ انھوں نے درس کے لئے جو کتابیں منتخب کیں ان کے متعلق دعویٰ یہ ہے کہ یہ سند کے لحاظ سے سب سے زیادہ عالی مقام ہیں۔ موطاؒ سے سب سے زیادہ قریب العہد ہے اور بخاری سند کے لحاظ سے سب سے زیادہ ممتاز لہٰذا مولانا کو ان کتابوں کے متن سے بحث ہے۔

آپ نے سوچ بچار کی عادت پائی ہے تو میری ان گزارشات پر بھی غور فرمایئے۔ باقی کسی تحریر کے قبول یا نا قبول کا فیصلہ آپ نے خود کرنا ہے۔

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

والسلام

خالد مسعود

برادرم عبدالرشید صدیقی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

عیدالفطر کے موقع پر آپ نے یاد فرمایا تھا۔ اس کا شکریہ۔ میں نے بھی ایک عید کارڈ تیار کیا ہوا تھا، لیکن اسے حوالہ ڈاک کرنے میں تاخیر ہوگئی۔ پھر سوچا چلو اب خط لکھیں گے اور کئی مہینے گزر گئے!

امید ہے آپ مع اہل وعیال بخیر وعافیت ہوں گے اور اپنی دعاؤں میں یاد رکھتے ہوں گے۔ نیز تمام احباب بھی خیریت سے ہوں گے۔ آپ لوگوں کی سرگرمیوں کی کوئی اطلاع نہیں ملتی۔ امپیکٹ آرہا ہے لیکن اس سے بہت کم اطلاع مل سکتی ہے۔ کبھی کبھار کوئی چھوٹی سی خبر برطانیہ کی دیتا ہے۔

ہمارے یہاں کے حالات سے تو آپ باخبر ہوں گے ہی۔ تاریخ بڑی کروٹ لے رہی ہے۔ بنگلہ دیش بڑی چابک دستی سے تسلیم ہوگیا۔ اب برِاعظم کے ممالک میں معمول کے حالات پیدا کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ حکومت نہایت مضبوطی سے اپنا کردار ادا کر رہی ہے۔ ملک کے اندر کوئی مخالف آواز نہیں ہے۔ جماعت نے اپنے حالیہ اجتماع میں کچھ قراردادیں منظور کی ہیں، لیکن جماعت بھی وجہ تشویش نہیں بنتی۔ اس لئے ان کی اہمیت صرف علمی و نظریاتی ہے۔ اصغر خان بولتے ہیں، لیکن پریس ان کے ساتھ نہیں اس لئے ایک کالمی خبر بھی ان کے بارے میں شاذونادر ہی نظر آتی ہے۔

سنا ہے آپ کے ہاں مہنگائی بہت بڑھ گئی ہے۔ یہاں تو اس نے ہمیشہ کے ریکارڈ مات کر دیئے ہیں۔ زندگی بہت مشکل ہوگئی ہے۔ خیر سے سوشلسٹ معیشت نے معاشی بحران پیدا کرنا شروع کر دیا ہے۔ مزدوروں کے مسائل بہت بڑھے ہوئے ہیں۔ Productivity بالکل پست ہے۔ سرمایہ کاری مفقود ہے۔ پبلک خطرہ محسوس کرتے ہوئے پیسہ لگانے سے اجتناب کر رہی ہے۔ افراط زر پیدا کر دیا گیا ہے جس کا باعث سوشلسٹ وزیر خزانہ کی پالیسیاں ہیں۔

مولانا اصلاحی بخیریت ہیں اور تفسیر میں مشغول ہیں۔ تدبر قرآن کی جلد سوم بازار میں آگئی ہے اور چہارم (جو سورہ کہف سے شروع ہوگی) میثاق میں بالاقساط شائع ہو رہی ہے۔ مولانا سورہ عنکبوت میں ہیں۔

شہزاد کے بارے میں آپ کو کوئی اطلاع ہے یا نہیں۔ اس کے امپلائرز کو لکھ کر معلوم تو کریں۔ اس کا جو آخری خط میرے پاس آیا تھا اس سے معلوم ہوا تھا کہ وہ دو سخت حادثوں سے دوچار ہوا جن سے بچنا بس خدا کے فضل ہی سے ممکن ہوا نیز یہ کہ اس نے رومانیہ میں شادی کرلی تھی۔ اس کے بعد پتہ نہیں چلا کہ وہ کہاں گیا۔

عبدالسلام وغیرہ بنگالی دوستوں کا تاثر بنگلہ دیش کے بارے میں کیا ہے؟ سلیم کیانی صاحب کے مشاغل کیا ہیں۔ اب تو وہ UKIM کے صدر ہیں۔ درس قرآن وغیرہ میں دلچسپی لے رہے ہیں یا نہیں۔

باقی خیریت۔ گھر میں سلام۔ بچوں کو پیار۔ احباب کو سلام۔ پاکستان آنے کا ارادہ ہے یا نہیں؟

والسلام

خالد مسعود

9 اپریل 1974ء

باسمہ تعالیٰ

برادرم منصور الحمید صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

نوازش نامہ موصول ہوا۔ یاد آوری کا شکریہ۔

غزوات کے سلسلہ مضامین کو آپ قدر کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں۔ بعض دوسرے لوگوں نے بھی میری اپروچ کو پسند کیا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ جن لوگوں نے قرآنی سیرت کے نام سے کتابیں لکھی ہیں' ان میں انھوں نے اپنے علم کی حد تک قرآنی آیات کو مختلف عنوانوں کے تحت صرف جمع کر دیا ہے۔ سیرت کی قدیم کتابوں میں مصنفین اصل اعتماد روایت پر کرتے ہیں اور آخر میں یہ حوالہ دے دیتے ہیں کہ قرآن میں اس واقعہ کا تذکرہ فلاں مقام پر ہے۔ میرے خیال میں روایتی سیرت کو قرآن پر پرکھنا اصل کام ہے جو کسی نے نہیں کیا۔ شاید میرا یہ حقیر کام اس مقصد کے لئے راہ کھول دینے کا باعث بنے۔

جن مقامات پر دھیما انداز اپنانے کی ضرورت نہیں تھی اگر آپ ان کی نشان دہی فرما دیں تو میں نظر ثانی کر لوں گا۔ کتابی صورت میں لانے سے پہلے اس طرح کی اصلاح لازم ہوگی۔

مولانا کا سقراط پر تبصرہ بہت شاندار اور جامع ہے۔ مجھے تو بظاہر اس میں کوئی بات نظر نہیں آئی جو مولانا کے فکر سے ہم آہنگ نہ ہو۔ کتاب کی اشاعت ثانیہ سے قبل اچھی پروف ریڈنگ اشد ضروری ہے۔ اس کا ضرور اہتمام کریں۔ بڑا دکھ ہوتا ہے جب بے ربط جملے یا الفاظ سامنے آتے ہیں۔

مولانا کی صحت بے حد گر گئی تھی۔ اس وقت قدرے بہتر ہے' لیکن ناتوانی اور ضعف کے باعث اٹھنے بیٹھنے سے قاصر ہیں۔ پانی پلانے کے لیے بھی سہارا دے کر بٹھایا جاتا ہے ورنہ ہر وقت دراز ہی رہتے ہیں۔ پچھلے دنوں پہچان کی صلاحیت ختم ہو گئی تھی۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ پہچان رہے ہیں۔ گفتگو بھی ختم ہو چکی۔ کبھی مشکل سے سلام کا جواب دے دیتے ہیں ورنہ بالعموم اپنی دنیا ہی میں رہتے ہیں۔ ہم لوگ کبھی جاتے ہیں تو اب محض زیارت ہی کر پاتے ہیں۔ کچھ کہنے سننے کی نوبت نہیں آتی۔ پیشاب کی نالی بدستور لگی ہوئی ہے۔ اس کے اپنے مفاسد ہیں۔ ان کی صحت کے لئے دعا کیا کریں۔

تمام احباب خیریت سے ہیں۔ محمد حسن صاحب کو میں پہچان نہیں سکا۔ بہرحال ان کو میرا سلام کہہ دیں۔

والسلام

9 مئی 1996ء

خالد مسعود

باسمہ تعالیٰ

ڈاکٹر سلیم الدین صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

آپ کے نوازش نامہ کا جواب تقریباً سوا دو ماہ بعد دے رہا ہوں۔ حقیقت میں اس دوران کچھ ایسی خانگی مصروفیات رہیں جنھوں نے دوسرے کاموں کی طرف متوجہ ہی نہیں ہونے دیا چنانچہ تدبر رسالہ بھی اسی تاخیر کی نذر ہو رہا ہے۔

آپ کے سوالات * کے مجمل جوابات حسب ذیل ہیں:

☆ مولانا اصلاحیؒ زندگی کے آخری ایام تک اپنا مکان نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ دیہات سے لاہور منتقل ہونے کے بعد وہ کچھ عرصہ کرایہ پر پھر سالوں تک اپنے دامادوں کے ہمراہ اور آخر میں جب ان کے بیٹے نے ڈیفنس میں مکان بنایا تو اس میں رہے۔ یہیں ان کا انتقال ہوا۔

☆ مولانا کی رائے میں داڑھی کی مقدار تو معین نہیں ہے' لیکن بہرحال اسے داڑھی نظر آنا چاہیے۔ لہٰذا خشخشی داڑھی رکھنا صحیح نہیں۔ مولانا مونچھیں منڈوانے کے حق میں بھی نہیں تھے۔ وہ اس روایت سے استدلال کرتے تھے کہ حضرت عمرؓ جب کسی معاملہ میں متفکر ہوتے تو اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے۔

☆ ٹوپی سے سر ڈھانپنا شرائط نماز میں سے نہیں ہے۔ ننگے سر بھی نماز ہو جاتی ہے البتہ سر ڈھانپنا آداب نماز میں سے ہے۔

☆ مولانا فراہیؒ ٹخنے ننگے رکھنے کے بارے میں متشدد تھے' لیکن مولانا اصلاحی ارسال ازار کی ممانعت کو مغرور' متکبر لوگوں کے لباس سے مشابہت قائم نہ کرنے کے معنی میں لیتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے متعلق روایت میں ہے کہ ان کا پاجامہ نیچا ہوتا تھا اور اس میں ان کی جسمانی ساخت کو دخل تھا۔

☆ شطرنج کھیلنا ایک لغو کام ہے اور مومنین کو لغو سے احتراز کا حکم ہے۔

والسلام

خالد مسعود

یکم دسمبر 1998ء

* (شمارہ تدبر 60 اور 61 کے مطالعہ کے بعد چند سوالات ارسال کیے جن کے جوابات آپ نے مرحمت فرمائے)
(ڈاکٹر محمد سلیم الدین)

باسمہ تعالیٰ

پروفیسر خالد شریف صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

میرے نزدیک تفسیر حقانی کی ایک نمایاں خصوصیت اس کا معلمانہ انداز بیان ہے۔ مقدمہ میں سیر حاصل بحث ہے جس میں علم تفسیر کے کئی اطراف کو سمیٹ لیا گیا ہے۔ پھر جملوں کی ترکیب نحوی مسلسل دی گئی ہے تاکہ قارئین اولاً کلام کا دروبست سمجھ لیں اور پھر مضمون کی طرف متوجہ ہوں۔ تفسیر کرتے ہوئے گزشتہ مضامین کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جس سے ربط کلام قائم کرنے میں سہولت ہوتی ہے۔ مزید برآں جس طرح ایک اچھا معلم شاگردوں کے لئے سوال قائم کرتا ہے تاکہ ان میں غور وفکر کی صلاحیت بیدار ہو اسی طرح اس تفسیر میں بھی سوالات قائم کر کے ان کے جوابات دیئے گئے ہیں۔

ہمارے اہل دین بالعموم صرف اپنی کتب تفسیر پر نظر رکھتے ہیں۔ اس سے باہر ان کی واقفیت بہت کم ہوتی ہے۔ تفسیر حقانی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مصنف نے مستشرقین کو بھی پڑھا ہے اور ان کے نظریات اور دلائل سے واقف ہو کر اسلام اور قرآن پر ان کے اعتراضات کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ جابجا ان کے حوالے نظر آتے ہیں۔ یہ جدیدیت ان عنوانوں میں بھی نظر آتی ہے جن پر اثنائے تفسیر میں مصنف نے مفصل مضامین لکھے ہیں۔ انھوں نے قدیم وجدید تمام حوالوں کی مدد سے یہ مضامین لکھے ہیں اور خاصے وقیع ہیں۔

دعا گو

خالد مسعود

ریسرچ آفیسر

قائد اعظم لائبریری لاہور

3 مئی 1993ء

باسمہ تعالیٰ

محترمی جناب اکرم رضا صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

آپ کا نوازش نامہ ملا۔ بیشتر خواب جو ہم آپ دیکھتے ہیں وہ ہمارے اپنے خیالات ہی کا عکس ہوتے ہیں۔ فی الجملہ اچھے خواب سے اچھا شگون اور برے خواب سے برا شگون لینا چاہیے۔ البتہ انبیائے کرام علیہم السلام کے خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام اور بشارت کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ یہ وحی کے قبیل سے ہوتے ہیں۔

ارواح اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ دنیا کی زندگی کے بعد ان کو عالم برزخ میں رکھا جاتا ہے۔ جہاں نیک ارواح کے لیے بشارت اور بد ارواح کے لیے برے انجام کے آثار موجود ہوتے ہیں۔ قیامت میں ان ارواح کو محاسبہ کے لیے اٹھایا جائے گا۔ قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس گواہی کا ذکر ہے جو وہ اپنی امت کے اعمال کے سلسلہ میں قیامت کے روز دیں گے۔ وہ برملا یہ کہیں گے کہ جب تک میں لوگوں میں موجود رہا میں نے ان کو فلاں فلاں تعلیم دی۔ جب تو نے مجھے بلا لیا تو پھر جو کچھ یہ کرتے رہے اس کا علم مجھے نہیں تو خود ان کا نگہبان تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کے ظاہر و باطن کا علم صرف اللہ کو ہوتا ہے جو سمیع و بصیر و علیم ہے کوئی دوسرا خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ خدا کی اس صفت میں شریک نہیں ہوسکتا۔

قرآن نے مرنے کے بعد عالم برزخ کی حیات کا تصور دیا ہے جو ظاہر ہے اس دنیا کی حیات کی طرح نہیں ہے۔

امید ہے یہ اشارات آپ کے سوالوں کے جواب میں کفایت کریں گے۔

والسلام

خالد مسعود

28/ستمبر 1991ء

باسمہ تعالیٰ

برادرم عبدالرشید صدیقی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا نوازش نامہ۔ مولانا کی تفسیر تدبر قرآن کی کتابت شروع ہو گئی ہے' تقریباً ڈیڑھ سو صفحات لکھے جا چکے ہیں۔ آفسٹ پر طباعت ہوگی' کوشش ہے کہ معیار اچھا رہے' کاپی کی تصحیح کرتے ہوئے جب میں حروف مقطعات کی بحث پر پہنچا تو دفعتہً مجھے آپ کی دلچسپی یاد آ گئی۔ مضمون کی یاددہانی کے بعد فی الواقع مجھے یہ تمنا ہوئی کہ کاش اس بحث کو آگے چلایا جائے۔ آپ کے ذہن میں مولانا فراہیؒ کا نقطہ نظر تو ہوگا ہی' خلاصہ ایک مرتبہ پھر کہہ دیتا ہوں تاکہ آپ اپنے فارغ اوقات میں اس موضوع پر غور وفکر کر سکیں۔ مولانا عربی کی اصل عبرانی کو مانتے ہیں اور عبرانی کے الفاظ کی تحقیق ان کے نزدیک یہ ہے کہ وہ خالی آواز کے علاوہ چیزوں کو تصور بھی کرتے تھے جس طرح جاپانی وغیرہ زبانوں میں ہے۔ الف کا مطلب گائے کا سر' ط کا مطلب سانپ' م موج دریا' ن مچھلی' ب بیت وغیرہ لیا جاتا تھا۔ قرآن کی جن سورتوں میں مذکورہ الفاظ آئے ہیں ان میں یہ مناسبت موجود ہے۔ اس بنیاد پر اگر آپ غور کریں تو قرآن کے حروف مندرجہ ذیل ہوں گے۔

ا' ح' ر' س' ص' ط' ع' ق' ک' ل' م' ن' ہ' ی۔

ان حروف کی تحقیق اگر آپ کر لیں تو سورتوں کے مضامین کے ساتھ ان کی مناسبت تو انشاء اللہ دریافت کر لی جائے گی۔ خدا کرے آپ کو اس سلسلہ میں غیبی امداد میسر آ جائے اور آپ علم قرآن کے اس بند دروازے کو وا کرنے کا وسیلہ بنیں۔

ہمارے یہاں وزیر خارجہ بھٹو اپنے عہدہ سے سبکدوش ہو گئے ہیں۔ افواہیں پہلے بھی تھیں اور اب قیاس آرائیاں ہو رہی ہیں۔ بعض لوگ اس کو خارجہ پالیسی میں تبدیلی کا پیش خیمہ قرار دے رہے ہیں مگر میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہو گا کیونکہ یہ پالیسی ایوب صاحب کے برسراقتدار آنے پر وضع ہوئی تھی اور بھٹو ۱۹۶۳ء میں وزارت خارجہ میں آئے تھے۔

اسلامک مشن کے احوال کیا ہیں؟ ادھر مدت سے آپ کا نیوز لیٹر بھی نہیں ملا۔ اب تو اجتماع ارکان کے لیے بھی مشورے شروع ہو چکے ہوں گے۔

باقی خیریت ہے۔ سب دوستوں کو سلام پہنچا دیجئے۔ والسلام

احقر

خالد مسعود

23/جون1966

نام کتاب	قیمت
تالیفات امام حمید الدین فراہیؒ	
مجموعہ تفاسیر فراہیؒ	328/-
تفسیر قرآن کے اصول (ترجمہ مولانا خالد مسعودؒ)	80/-
حکمت قرآن (ترجمہ مولانا خالد مسعودؒ)	96/-
تالیفات مولانا امین احسن اصلاحیؒ	
تدبر قرآن ۔۔۔ کامل (9 جلد)	2952/-
تدبر قرآن (فی جلد)	328/-
تدبر حدیث ۔۔۔ شرح موطا امام مالکؒ	350/-
تدبر حدیث ۔۔۔ شرح صحیح بخاری	360/-
مبادی تدبر قرآن	120/-
مبادی تدبر حدیث	105/-
حقیقت شرک و توحید	165/-
حقیقت نماز	60/-
حقیقت تقویٰ	60/-
تزکیۂ نفس ۔۔۔ کامل	285/-
تزکیۂ نفس ۔۔۔ جلد دوم	120/-
دعوت دین اور اس کا طریقۂ کار	120/-

نام کتاب	قیمت
اسلامی قانون کی تدوین	90/-
اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل	90/-
اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام	120/-
قرآن میں پردے کے احکام	15/-
فلسفے کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں	138/-
تفہیم دین	105/-
مقالات اصلاحی (جلد اول)	195/-
اصول فہم قرآن	34/-
مقالات اصلاحی (جلد دوم) (زیر طبع)	--
اسلامی ریاست (زیر طبع)	--
تالیفات مولانا خالد مسعودؒ	
قرآن حکیم (سپیشل ایڈیشن) (عام ایڈیشن) (مع ترجمہ اور خلاصۂ مجالس تفسیر تدبر قرآن) ترجمہ مولانا امین احسن اصلاحی حواشی مولانا خالد مسعود	550/- 396/-
حیات رسول امیؐ	375/-
اسباق نحو	36/-

ملنے کے پتے

- **ادارہ تدبر قرآن و حدیث**، رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد، لاہور
- **فاران فاؤنڈیشن** 122۔ فیروزپور روڈ، اچھرہ، لاہور 54600 فون: 042-7595200
- **دارالتذکیر** رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور